www.kitabosunnat.com///کتاب وسنت ڈاٹ کام

قُران کریم میں بیان کردہ قواعد (قوانین ، اُصول)

دُوسرا حصہ ، پہلا اصدار (ایڈیشن)

تالیف: عادل سہیل ظفر

کتاب وسُنّت ڈاٹ کام

www.kitabosunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- **کتاب وسنت ڈاٹ کام** پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- **مجلس التحقیق الاسلامی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

رقم	موضوع	صفحہ
1	موضوعات کا تعارف	2
2	مُقدمہ	3
3	قُران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول ، قوانین)،،،، گیارھواں قاعدہ11، سُورت النساء (4)/آیت 11،	5
4	قُران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول ، قوانین)،،،، بارھواں قاعدہ 12، سُورت النِساء (4)/آیت 19،	9
5	قُران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول ، قوانین)،،،، تیرھواں قاعدہ 13، سُورت النِساء (4)/آیت 45،	14
6	قُران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول ، قوانین)،،،، چودھواں قاعدہ 14، سُورت النِساء (4)/آیت 128،	25
7	قُران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول ، قوانین)،،،، پندرھواں قاعدہ15، سُورت المائدہ (5)/آیت 89،	33
8	قُران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول ، قوانین)،،،، سولھواں قاعدہ16، سُورت المائدہ (5)/آیت 100،	38
9	قُران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول ، قوانین)،،،، سترھواں قاعدہ17، سُورت التوبہ (9)/آیت 19،	43
10	قُران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول ، قوانین)،،،، اٹھارھواں قاعدہ18، سُورت التوبہ (9)/آیت 119،	48
11	قُران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول ، قوانین)،،،، اُنیسواں قاعدہ 19، سُورت ھُود (11)/آیت 112،	51
12	قُران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول ، قوانین)،،،، بیسواں قاعدہ 20، سُورت ھُود (11)/آیت 114،	54

:::::: موضوعات کا تعارف ::::::

::: گیارھواں قاعدہ ::: اللہ ہی جانتا ہے کہ کون کِس کے لیے فائدہ مند ہے۔

::: بارھواں قاعدہ ::: عورتوں کے ساتھ اچھائی اور بھلائی والے معاملات کیا کرو۔

::: تیرھواں قاعدہ ::: اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اِیمان والوں کے اور اِنسانوں کے دُشمن کون ہیں، اِیمان اور انسانیت کے دُشمنوں کے بارے میں بیان۔

::: چودھواں قاعدہ ::: صُلح، اور اِصلاح میں ہی خیر ہے۔

::: پندرھواں قاعدہ ::: اپنی کھائی ہوئی، اُٹھائی قسموں کی حفاظت کرنا ہی چاہیے۔

::: سولھواں قاعدہ ::: خبیث یعنی گندی، پلید چیزیں اور پاکیزہ چیزیں، کام، باتیں ایک جیسے نہیں ہوتے۔

::: سترھواں قاعدہ ::: خیر خواہی اور نیک نیّت سے نیکی اور اچھائی کی کوشش کرنے والوں خِلاف کوئی الزام بازی یا طعن و تشنیع نہیں کی جانی چاہیے۔

:::اٹھارھواں قاعدہ ::: ہمیشہ سچائی اور سچائی والوں کے ساتھ رہنا ہی کامیابی والا راستہ ہے۔

::: اُنیسواں قاعدہ ::: اللہ کے دِین پر اِستقامت کے ساتھ قائم رہنا ہر ایک مُسلمان کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ اپنے اِیمان اور نیک اعمال کو ابلیس کی چالوں سے بچائے رکھنے کا ایک انتہائی مضبوط ذریعہ ہے۔

::: بیسواں قاعدہ ::: بے شک نیکیاں گناہوں کو مِٹا دیتی ہیں۔

پیش لفظ (مُقدمہ)

أعوذُ باللَّهِ مِن الشيطانِ الرَّجِيمِ و مِن هَمزِهِ و نفخهِ و نفثِهِ

بِسمِ اللَّهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ

اِنَّ اَلحمدَ لِلّهِ نَحمَدُهُ وَ نَستَعِينُهُ وَ نَستَغفِرُهُ وَ نَعَوذُ بَاللَّهِ مِن شُرُورِ أنفُسِنَا وَ مِن سِيَّئاتِ أعمَالِنَا ، مَن يَهدِهِ اللَّهُ فَلا مُضِلَّ لَهُ وَ مَن يُضلِل ؛ فَلا هَادِيَ لَهُ ، وَ أشهَدُ أن لا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَحدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ ، وَ أشهَدُ أنَّ مُحمَداً عَبدُهُ وَ رَسُولُهُ ۔

﴿يَا أيُّهَا الذَّينَ آمَنُوا اتَّقوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَ لا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أنتُم مُسلِمُونَ﴾

﴿يَا أيُّهَا النَاسُ اتَّقُوا رَبَّكُم الَّذِى خَلَقَكُم مِن نَفسٍ وَاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنهَا زَوجَهَا وَ بَثَّ مِنهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَ نِساءً وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِى تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأرحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيكُم رَقِيباً﴾

﴿يَا أيُّهَا الذَّينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ قُولُوا قَولاً سَدِيداً O يُصلِح لَكُم أعمَالَكُم وَ يَغفِر لَكُم ذُنُوبَكُم وَ مَن يُطِعِ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ فَقَد فَازَ فَوزاً عَظِيماً﴾

أمَا بَعدُ ؛ فَإِنَّ أصدَقَ الحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ ، وَخَيرَ الهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ صلى اللَّه عليه وعلى آله وسلم ، وَ شَرَّ الأُمُورِ مُحدَثَاتُهَا ، وَ كَلَّ مُحدَثَةٍ بِدعَةٌ ، وَ كُلَّ بِدعَةٍ ضَلالَةٌ ، وَ كُلَّ ضَلالَةٍ فِي النَّارِ ۔

اِن اِلفاظ کو خُطبۃُ الحاجہ کہا جاتا ہے اور یہ وہ اِلفاظ ہیں جن سے رَسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اپنے خُطبات ، دُروس ، اور وعظ کا آغاز فرمایا کرتے تھے ، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے اُسوہِ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے میں بھی اپنی بات کا آغاز اِسی خُطبہ سے کر رہا ہوں ،

اللہ جلّ جلالہُ کی اُس کی مخلوق پر رحمت اور شفقت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے اپنی مخلوق کے لیے عموماً اور اپنے اِیمان والے بندوں کے لیے خصوصاً ، اپنی کتاب کریم قران حکیم میں دِینی اور دُنیاوی امور کو بہترین اور فائدہ مند طور پر مکمل کرنے کے لیے ،حلال و حرام کی جانچ کے لیے ، دُرست و نادُرست کی پہچان کے لیے قواعد یعنی قوانین نازل فرما دیے ،

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو قیامت تک ہونے والے ہر ایک کام اور اُس کی ظاہری اور باطنی متعلقات بلکہ اُن کی تمام تر جزئیات کو بھی نام بنام ذِکر فرما کر ہر ایک کا حکم الگ الگ نازل فرما دیتا ، لیکن اُن نے اپنی بے عیب حِکمت اور مخلوق پر بے شمار شفقت کی بِناء پر ایسا نہیں کیا ، کیونکہ اگر وہ ایسا کر دیتا تو پھر شاید ایسا ہوتا کہ کسی ایک چیز کے بارے میں حکم تلاش کرنے میں شاید اِنسان کی پوری زندگی لگ جاتی اور وہ اُس حکم تک نہ پہنچ پاتا ،

اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ کی اپنے آخری نبی اور رسول اور خلیل محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی اُمت پر خصوصی رحمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اِس اُمت کو ہمیشہ ایسے عُلماء عطاء فرماتا چلا آ رہا ہے جو اُمت کو اللہ کے دِین سمجھنے میں آسانیاں مہیا کرتے ہیں ، وللہ الحمد ،

ایسے ہی ایک عالِم، محترم شیخ ،ڈاکٹر عُمر المقبل حفظہُ اللہ نے قران کریم میں بیان کردہ قواعد (قوانین) کو دُرُوس کی شکل میں بیان فرمائے،

یہ کتاب اُنہی دُروس سے ماخوذ مضامین کا دُوسرا مجموعہ ، دُوسرا حصہ ہے،

خیال رہے کہ قارئین کرام ، کہ یہ مضامین محترم شیخ ،ڈاکٹر عُمر المقبل حفظہُ اللہ کے دُرُوس سے ماخوذ ہیں، نہ کہ اُن کے دُرُوس کے تراجم ، بلکہ ان مضامین میں کم و بیش ساٹھ ستر فیصد مواد میری طرف سے اضافہ ہے، اس لیے اِن مضامین کو حرف بحرف محترم شیخ صاحب حفظہُ اللہ سے منسوب نہ سمجھا جائے۔

اور مضامین کا تسلسل بھی میں نے محترم شیخ صاحب کے دُروس کے تسلسل کے مطابق نہیں رکھا، بلکہ مصحف شریف میں آیات کے تسلسل کے مطابق رکھا ہے،

تمام قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اِس کتاب کا مطالعہ فرماتے ہوئے اگر کسی قسم کا کوئی سوال، یا اشکال ذہن میں آئے تو بلا تکلف وتردد سامنے لایے ،اِن شاء اللہ اِس طرح بہت خیر ملنے کی اُمید ہوتی ہے،

اللہ تبارک وتعالیٰ میری اِس محنت کو قُبول فرمائے اور میرے لیے اور تمام قارئین کے لیے دِین دُنیا اور آخرت کی خیر کے اسباب میں سے بنائے،

والسلام علیکم، طلبگارء دُعاء، عادِل سُہیل ظفر،

تاریخ: 17/11/1437 ہجری، بمُطابق، 20/08/2016 عیسوئی۔

۞۞قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،، گیارہواں قاعدہ رقم 11 ۞۞

بِسۡمِ اللَّهِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ

و الصَّلاۃُ والسَّلامُ عَلیٰ رَسولہِ الکریم مُحمدٍ و عَلیَ آلہِ وَأصحابہِ وَأزواجِہِ وَ مَن تَبِعَھُم بِاِحسانٍ إِلٰی یَومِ الدِین ، أما بَعد :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا::: تُم لوگ نہیں جانتے کہ لوگوں کے آباء (باپ،دادوں) اور اولاد (بیٹوں، پوتوں) میں سے کون تُم لوگوں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہے﴾ سُورت النساء (4)/آیت 11،

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ مذکورہ بالا فرمان شریف ہمارے آج کے درس کا موضوع ہے، جسے ہم اِن شاء اللہ اللہ کی طرف سے بیان فرمودہ قواعد و قوانین کے ضمن میں اپنے دُروس کے سلسلے "قران میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں گیارہویں (11) درس کے طور پر پڑھیں گے،

اللہ جلّ ثناوہُ نے یہ فرمان سورت النساء میں وراثت کی تقسیم کے احکام فرمانے کے بعد اِرشاد فرمایا ہے،

اُن آیات مُبارکہ کی روشنی میں اِس فرمان شریف کا مفہوم یہ ہوا کہ """اے لوگو، تُم اپنی محدود عقلوں کی بناء پر یہ نہیں جانتے کہ تمہارے لیے تُمہاری دُنیااور آخرت کے معاملات میں کون زیادہ فائدہ مند ہے، تمہارے والدین یا تُمہاری اولاد، لہذا تُم لوگ اپنی وراثت اپنی عقلوں کے مُطابق مت تقسیم کرو، بلکہ اللہ کے فرض کردہ حصوں کے مُطابق تقسیم کرو، کیونکہ وہی اور صِرف وہی ہے جو ہر ایک موقع محل اور وقت اور زمانے میں ہر ایک چیز اور معاملے کے بارے میں بالکل مکمل اور ٹھیک طور پر علم رکھتا ہے، لہذا کسی شک اور شُبے کے بغیر یہ حقیقت مان لی جانی چاہیے کہ صِرف اللہ ہی یہ جانتا ہے کہ تُمہارے والدین اور تُمہاری اولاد میں سے درحقیقت کون تمہارے لیے فائدہ مند ہے """،

اِسلام سے پہلے اہل جاہلیت وراثت کی تقسیم کے لیے کوئی خاص ضابطہ نہیں رکھتے تھے، کوئی قانون نہ تھا، بلکہ اپنی اپنی مرضی اور اپنے اپنے فائدے کو دیکھتے تھے، پس کبھی تو مرنے والے کے والدین کی ضروریات یا معاشرتی رتبے کے سبب اُنہیں وراثت دی جاتی، اور کبھی مرنے والے کی اولاد کی ضروریات یا معاشرتی رتبے کے سبب اُنہیں وارث بنایا جاتا، اور کبھی والدین، اولاد، اور بھائی بہنوں سب ہی کو شامل کیا جاتا، لیکن کسی کے لیے کسی رشتے کی نسبت سے کچھ مقرر نہ تھا، بس کسی کو کچھ دے دیا جاتا، اور کسی کو کچھ،

اللہ عزّ و جلّ نے اپنی اِس آخری پاکیزہ شریعت میں لوگوں کے تمام تر اجتہادات کو یکسر غلط قرار فرما دِیا اور وارثت کے حق دار مقرر فرما کر ہر ایک وارث کے لیے ایک مقدار مقرر فرما دِی،

وراثت کی تقسیم کے احکام والی اِس آیت شریفہ میں اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ نے تین عظیم باتیں اِرشاد فرمائیں ہیں، جو کہ ہر ایک مُسلمان کے ذہن میں ہمیشہ موجود رہنا چاہیں،

اُن میں سے ایک تو یہ ہی قانون اور قاعدہ ہے جِس کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں، کہ ﴿آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ

أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا::: تُم لوگ نہیں جانتے کہ لوگوں کے آباء (باپ، دادوں) اور اولاد (بیٹوں، پوتوں) میں سے کون تُم لوگوں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہے﴾،

اور دوسری بات جو آیت مُبارکہ کے آخر میں اِرشاد فرمائی کہ جسے فرما کر اللہ الحکیم نے اِس آیت مُبارکہ کو ختم فرمایا ہے کہ ﴿فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا::: (یہ تقسیم) اللہ کی طرف سے فرض کر دی گئی ہے﴾،

اور تیسری بات جسے فرما کر اللہ الحکیم نے اِس آیت مُبارکہ کو ختم فرمایا، پس اِیمان والوں کے اِیمان میں اضافے اور اُن کے دِلوں اور رُوحوں کو اِطمینان اور شادابی عطاء فرماتے ہوئے یہ یقین دہانی کروائی کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا::: یقیناً اللہ سب سے زیادہ (یقینی، مکمل اور بے عیب) عِلم، اور حِکمت والا ہے﴾، یعنی اِس تقسیم میں کسی قِسم کی کوئی تقصیر، کوئی زیادتی، کوئی ظلم، کوئی عِلت ہونے کا اِمکان تک بھی نہیں کیونکہ یہ تقسیم مقرر کرنے والا اللہ عزّ و جلّ ہے جو کہ کسی بھی شک اور شبے کے بغیر علیم اور حکیم ہے،

اپنے اِس درس میں زیر مطالعہ قاعدے کی طرف واپس آتے ہوئے گذارش ہے کہ ہم سب کو ہی چاہیے کہ ہم اپنی زندگی میں اِس قاعدے، اِس قانون کو عملی طور پر نافذ کریں، اِن شاء اللہ ہمارے خیالات، اور فیصلوں میں واقع ہونے والی بہت سی غلطیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے،

مثال کے طور پر معاشرے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی اولاد میں صِرف بیٹیاں ہی ہوتی ہیں، اور اُن لوگوں میں سے اکثریت ایسی ہوتی ہے جو صِرف بیٹیاں ہونے کی وجہ سے کمی، کمزوری اور بسا اوقات ذِلت محسوس کرتے ہیں، میں اِس وقت یہ موضوع شروع نہیں کرنا چاہتا کہ بیٹی کا اِسلامی تعلیمات میں کیا مُقام ہے؟ اور بیٹی کے ذریعے آخرت کے کن فوائد کے ملنے کی خوشخبریاں دی گئی ہیں،

یہاں اِس معاملے کو ذِکر کرنے کا مقصد یہ احساس دِلانا ہے کہ اگر ہم میں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے صِرف بیٹیاں عطاء فرمائی ہیں، اللہ کے بیان فرمودہ اِس قاعدے کو اپنائیں تو اِن شاء اللہ اُن کے دِلوں میں اللہ کی عطاء اِطمینان، رضا مندی اور اُس کی طرف سے ملنے والی چیز کی اچھائی پر یقین آ جائے گا،

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں ایسے کئی مائیں، یا کئی باپ، یا دونوں والدین ملتے ہیں جن کی اولاد میں سے بیٹوں نے تو اُنہیں لا وارث بنا کر چھوڑ رکھا ہوتا ہے، لیکن کوئی بیٹی ایسی ہوتی ہے جو اُن کی خدمت گاری کرتی ہے، اُن کی دیکھ بھال کرتی ہے، اور اُن کے حقوق ادا کرتی ہے جبکہ بیٹے اپنے بیوی بچوں میں غرق ہو چکے ہوتے ہیں،

پس ہر وقت مشاہدے میں آنے یہ حقیقت اللہ جلّ وعُلا کے بیان فرمودہ اِس قاعدے، اِس قانون ﴿آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ::: تُم لوگ نہیں جانتے کہ لوگوں کے آباء (باپ، دادوں) اور اولاد (بیٹوں، پوتوں) میں سے کون تُم لوگوں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہے﴾ کی حقانیت کی گواہیوں میں سے ایک ہے کہ باپ دادے تو مر چکے ہوتے ہیں اور بیٹوں نے اپنی زندگیوں میں سے نکال پھینکا ہوتا ہے، تو ایسے میں بیٹیاں یا اُن میں سے کوئی ایک بیٹوں سے زیادہ فائدے مند ثابت ہوتی ہیں، پس یقیناً یہ ہی حق ہے کہ اللہ جلّ جلالہُ ہی یقینی، مکمل اور بے عیب طور پر یہ جانتا ہے کہ کون کس کے لیے فائدہ مند ہے،

ایک دکھ بھری نفسیاتی اور معاشرتی حقیقت یہ بھی ہے کہ وہ لوگ جنہیں صِرف بیٹیاں عطاء ہوتی ہیں وہ اپنی بیٹیوں سے

اچھا سلوک نہیں کرتے، اپنی بیویوں کو دھمکیاں دیتے ہیں کہ اگر اُنھوں نے بیٹے پیدا نہیں کیے تو وہ اُن کے ساتھ بُرا کریں گے ، اور بسا اوقات عملی طور پر اپنی بیویوں کے ساتھ برا ناروا سلوک رکھتے ہیں، جیسے کہ بیٹے یا بیٹیاں پیدا کرنا عورت کے اختیار میں ہو،

ایسی سوچ رکھنے والے مسلمانوں کو اپنے رب اللہ القوی القدیر کے یہ فرامین یاد رکھنا چاہیں کہ :

:::(1)::: یہ ہی قانون جس کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں، اگر اِس کو یاد رکھا جائے تو اِس قِسم کی منفی سوچیں رُخصت ہو جاتی ہیں، بإذن اللہ، (اِس کا بیان ابھی کیا گیا ہے)،

:::(2)::: اللہ تعالیٰ اِس فرمان میں تدبر کرتے ہوئے اِس کو یاد رکھیں کہ ﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَOأَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ::: اللہ کے لیے ہی ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، جو چاہتا ہے تخلیق فرماتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہےO یا انہیں بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطاء فرماتا ہے، اور جسے چاہے بانجھ بنا دیتا ہے،یقیناً اللہ سب سے بڑھ کر (مکمل اور یقینی) عِلم رکھتا ہے اور (مکمل) قُدرت والا ہے ﴾ سُورت الشُوریٰ(42)/آیات49،50،

إِمام ابن اقیم رحمہُ اللہ نے اِس آیت شریفہ کے متعلق بات فرماتے ہوئے کہا کہ """ وكفى بالعبد تعرضاً لمقته سبحانه وتعالى أن يتسخط ما وهبه::: کسی بندے کی طرف سے اپنے آپ کو اللہ کی ناراضگی کا حق دار بنانے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اُس پر راضی نہ ہو جو کچھ اُسے اللہ دیتا ہے"""،

اور مزید فرمایا کہ """وقيل.وهو أحسن.إنما قدمهن لأن سياق الكلام أنه فاعل ما يشاء لا ما يشاء الأبوان ، فإن الأبوين لا يريدان إلا الذكور غالباً ، وهو سبحانه قد أخبر أنه يخلق ما يشاء فبدأ بذكر الصنف الذي يشاء ولا يريده الأبوان::: اور کہا گیا، اور یہ کہنا بہت اچھا ہے کہ، اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کا ذِکر پہلے فرمایا ہے کیونکہ وہ یہ بتا رہا ہے کہ وہ وہی کچھ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے، نہ کہ وہ جو والدین چاہتے ہیں، کیونکہ والدین تو عموماً یہی چاہتے کہ اُنہیں بیٹے ہی ملیں،اور اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے تخلیق فرماتا ہے، لہٰذا اُس مخلوق کا ذِکر پہلے فرمایا جِسے تخلیق فرمانا اُس نے (تو) چاہا لیکن والدین نے نہیں"""،تحفة المودود بأحكام المولود/الباب الثاني، في كراهة تسخط البنات،

:::(3)::: جسے اللہ تعالیٰ نے صِرف بیٹیاں ہی عطاء فرمائی ہوں، اُسے چاہیے کہ وہ اُن احادیث کا مطاعہ کرتا رہا کرے جِن میں بیٹیوں کے بالغ ہونے تک اور اُن کے اپنے گھروں والیاں ہو جانے تک اُن کی پرورش اور اچھی تربیت کرنے والوں کی فضیلت اور اَجر بیان فرمایا گیا ہے،

:::(4)::: جن لوگوں کو صِرف بیٹیاں ہی عطاء ہوئی ہوتی ہیں، اُنہیں یہ کہا جانا چاہیے کہ آپ اُن لوگوں کو یاد کیجیے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد دی ہی نہیں، اگر آپ اُن سے پوچھیے تو وہ یہ ہی کہیں گے کہ ہمارے تو یہ تمنا ہے کہ اللہ اولاد تو دے خواہ بیٹیاں ہی ہوں، پس اِس لحاظ سے آپ بہتر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد تو عطاء فرمائی ہے،

:::(5)::: جو لوگ بیٹیاں پانے کی وجہ سے پریشان اور نالاں ہوتے ہیں، اُن یہ پوچھا جانا چاہیے کہ ، کیا تمہارے اِس

طرح پریشاں اور نالاں ہونے سے تمہیں بیٹے مل جائیں گے؟،

اور اُن لوگوں کو یہ سمجھایا جانا چاہیے کہ،

ٹھیک ہے کہ عام طور پر بیٹے پانے کی خواہش زیادہ ہوتی ہے، لیکن ایک سچے إِیمان والا اپنی اِس خواہش کے بر عکس بیٹیاں ملنے کو ایک اور انداز سے سمجھتے ہیں، کہ اپنی خواہش پوری نہ ہونے پر صبر کرنے کا موقع جاتے ہیں، اور اپنے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں، بلکہ کچھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ مزید کی توفیق عطاء فرماتا ہے اور وہ لوگ صبر سے بلند رتبے، یعنی شُکر تک پہنچ جاتے ہیں،

لیکن اِس رُتبے تک وہی لوگ پہنچ پاتے ہیں جو یہ جان لیتے ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُسے عطاء فرمایا ہے وہ اُس سے کہیں زیادہ خیر والا ہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے، یا چاہتا تھا،

اور عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے بیٹے نہ دے کر اُس سے کوئی شر اور نقصان دُور کیا ہو، جو اُسے بیٹے یا بیٹوں کی وجہ سے ملنے والا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خصر رحمہُ اللہ کے ذریعے ایک ایسے بچے کو ختم کروایا جو اپنے والدین کے لیے مصیبت کا سبب بننے والا تھا، جس کا بیان اللہ تعالیٰ نے سورت الکھف میں فرمایا کہ ﴿وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَن يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ○ فَأَرَدْنَا أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا:::اور وہ جو لڑکا تھا اُس کے والدین إِیمان والے تھے اور ہمیں ڈر تھا کہ کہیں وہ لڑکا اُن دونوں کو (بھی) سر کشی اور کفر میں مُبتلا نہ کر دے ○ لہٰذا ہم نے اِرادہ کیا کہ اُن والدین کا رب (اللہ) اُنہیں اُس لڑکے کی جگہ اُنہیں ایسی اولاد دے جو اُس لڑکے کے سے زیادہ خیر والی، اور زیادہ رحم کرنے والی ہو﴾سُورت الکھف (18)/آیات 80،81،

غور فرمایے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں لڑکے کے بدلے میں دیے جانے والی اولاد کی جنس کا ذِکر نہیں فرمایا کہ، لڑکے کے بدلے میں لڑکا ہی دے گا یا لڑکی، بس یہ فرمایا وہ اولاد اپنے والدین کے لیے اِس لڑکے کی نسبت زیادہ خیر اور رحم والی ہو گی،

پس، بیٹیاں پانے والو، تمہیں اللہ کی اِس نعمت اور عطاء میں اُس کی حِکمتوں کو سمجھنا چاہیے اور اِس پر پریشان، نالاں یا ناراض ہو کر گناہ گار ہونے کی بجائے، صبر کر کے اور اللہ کا شُکر ادا کر کے اُس کی رضا حاصل کرنی چاہیے،

اللہ تبارک و تعالیٰ کے بیان کردہ، ہمارے زیر مطالعہ اِس قاعدے میں جہاں اُن لوگوں کی پریشانی اور فِکر کی دواہے جو لوگ بیٹاں ملنے کی وجہ سے نالاں ہوتے ہیں، وہاں اُن لوگوں کے دُکھ کا مداوا بھی ہے جن کی اولاد میں سے کوئی اپاہج یا معذور ہوتا ہے، یا جنہیں ایسی ہی اولاد دی جاتی ہے جو اپاہج یا معذور ہو،

کہ وہ لوگ نہیں جانتے کہ اُن کی اولاد میں سے کون اُن کے لیے بہتر ہے، کون زیادہ فائدہ مند ہے، دُنیاوی اعتبار سے بھی اور آخرت کے اعتبار سے بھی، بلکہ ایسی اولاد آخرت سے پہلے دُنیا میں بہت سے فوائد کا سبب ہوتی، اور فوائد ایسے ہوتے ہیں جو آخرت کے لیے بھی کام آتے ہیں،

ذرا غور کیجیے کہ اولاد میں سے کسی اپاہج یا معذور بچے یا بچی کے والدین اُس بچے کے سبب اپنے اللہ سے کس قدر تعلق میں رہتے ہیں، کہ اکثر اوقات اپنے اُس بچے یا بچی کے لیے دُعائیں کرتے ہیں، نیکیوں کی طرف مائل ہوتے ہیں، صدقہ خیرات کی طرف مائل ہوتے ہیں، صبر کرتے ہیں، یہ سب کام ایسے ہیں جو دُنیا میں بھی اُن کے لیے اپنے معاشرے میں عِزت کا سبب بنتے ہیں، اور اِن شاء اللہ آخرت میں بخشش اور رتبوں کی بُلندی کا سبب ہوں گے،

ہمارے میں معاشرے میں یہ معاملہ بھی عام ہے کہ بیٹیوں کو کم تر سمجھنے والے لوگ عموماً، وراثت کے احکام کی خِلاف ورزی کرتے ہیں اور بیٹیوں ، بہنوں کو وراثت میں سے اُن کا وہ حصہ تک بھی نہیں دیتے جو حصہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مقرر کیا ہے ،

بلکہ بہنوں اور بیٹیوں کے اذہان میں یہ بٹھایا جاتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو اپنا حق چھوڑ دیں گی ، خواہ وہ بے چاریاں بھائیوں سے بڑھ کر غربت یا تنگی کے حال میں ہوں ،

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کام بھی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی ہے ، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا کسی کے لیے بھی حلال نہیں ، خاص طور پر وہ اِنسان جو خود کو مُسلمان کہتا اور سمجھتا ہو ، اس کے لیے تو یہ گنجائش بھی نہیں رہتی کہ وہ شریعت اِسلامیہ کا پابند نہیں ،

اللہ جلّ ثناوہُ ہر ایک مُسلمان کو یہ توفیق عطاء فرمائے کہ وہ اپنے اکیلے لا شریک خالق اور مالک اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ کا بیان فرمودہ یہ قاعدہ ، جسے اللہ ہی عطاء کردہ توفیق سے ہم نے آج پڑھا اور سمجھا ، سمجھ لے اور اِس پر عملی اِیمان کا مظاہرہ کرے ،

والسلام علیکم ۔

۞۞قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول ، قوانین) ،،، بارہواں 12 ۞۞

بِسمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ

و الصَّلاۃُ والسَّلامُ عَلیٰ رَسولہِ الکریم مُحمدٍ و عَلیٰ آلہِ وَأصحابہِ وَأزواجِہِ وَ مَن تَبِعَھُم بِاِحسانٍ إِلیٰ یَومِ الدِین ، أما بَعد :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ::: اے اِیمان لے آنے والا ، تُم لوگوں کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں (بیویوں ، یا دیگر عورتوں) کو اپنی میراث بنالو ، اور نہ ہی اُنہیں اِس لیے تنگ کرو (جیساکہ گھروں میں بند کر دینا ، اپنے رشتہ داروں سے ملنے جلنے سے روکنا ، مُناسب کھانا پینا لباس مہیانہ کرنا وغیرہ) کہ تُم اُس مال میں سے کچھ (واپس) لے لو جو تُم لوگوں نے اُنہیں (یعنی بیویوں کو مہر میں) دِیا ہے ، سوائے اِس کے کہ وہ بیویاں واضح طور پر کوئی بے حیائی والا کام کریں (یعنی زنا کریں ، تو صرف اِسی صُورت میں تُم لوگ اُن پر سختی کر سکتے ہو) ، اور اُن (بیویوں) کے ساتھ (اچھائی اور بھلائی کے) جانے پچانے طور طریقوں کے مُطابق وقت گذارو ، اور اگر تُم لوگ اُنہیں (یعنی اپنی بیویوں کو) ناپسند کرتے ہو ، تو (یاد رکھو کہ) عین ممکن ہے کہ تُم لوگ کِسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ اُس چیز میں بہت زیادہ خیر عطاء فرما دے ﴾ سُورت النِساء (4) / آیت 19 ،

ہمارے آج کے درس کا موضوع اللہ تبارک وتعالیٰ کے مذکورہ بالا فرمان شریف میں سے یہ فرمان ہے کہ ﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ::: اور اُن (بیویوں) کے ساتھ (اچھائی اور بھلائی کے) جانے پچانے طور طریقوں کے مُطابق وقت گذارو

ﷺ ہے، جسے ہم اِن شاء اللہ اللہ کی طرف سے بیان فرمودہ قواعد و قوانین کے ضمن میں اپنے دروس کے سلسلے "قران میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں بارہواں (12^{th}) درس کے طور پر پڑھیں گے ،

قُران کریم میں بیان کردہ یہ قاعدہ، یہ قانون بھی اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں میں سے ایک ہے جو اللہ جلّ ثناؤہُ نے اپنے اِیمان والے بندوں کو عطاء کی ، لیکن اِس کے فائدے اور خوشی بھرے ثمرات صِرف اُنہی کے لیے نہیں ہیں، بلکہ ہر وہ اِنسان اِن فوائد و ثمرات کو حاصل کر سکتا ہے جو اِس قاعدے پر عمل کرے گا، اِن شاء اللہ ،

یہ قاعدہ، یہ قانون اِنسان کی معاشرتی زندگی میں سے، اور بالخصوص ازدواجی زندگی میں سے بہت سے دُکھوں، پریشانیوں ، اور تکلیفوں کو ختم کرنے کے اَہم بنیادی اسباب میں سے ایک ہے ،

اِس قاعدے، اِس قانون کو سمجھنے میں مدد کرنے والے عوامل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم اِس آیت شریفہ کے نازل ہونے کے سبب کو جانیں ،

اُمیر المؤمنین فی الحدیث، اِمام البخاری رحمہُ اللہ نے اپنی صحیح میں، اس آیت شریفہ کی تفسیر کے بیان میں ، مفسرِ قران عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا ہے کہ ((كَانُوا إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ كَانَ أَوْلِيَاؤُهُ أَحَقَّ بِامْرَأَتِهِ، إِنْ شَاءَ بعضُهم تزوجها، وإن شاءوا زَوَّجُوها، وإن شاؤوا لَمْ يُزَوِّجوها، فَهُمْ أَحَقُّ بِهَا مِنْ أَهْلِهَا، فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي ذَلِكَ ::: پہلے یہ ہوا کرتا تھا کہ جب کوئی آدمی مرتا تواُس کے ولی (وارث) اُس کی بیوی پر سب سے زیادہ حق دار ہوتے ، اگر توان میں سے کوئی چاہتا تواُس بیوہ سے شادی کر لیتا، اور اگر وہ لوگ چاہتے تواُس کی کہیں اور شادی کر دیتے ، اور چاہتے تو کہیں شادی نہ کرتے ، پس (ہر لحاظ سے) وہ لوگ ہی اُس پر سب سے زیادہ حق رکھنے والے رہتے، اسی معاملے میں (حق داری کے احکام لیے ہوئے) یہ آیت نازل ہوئی))) صحیح بخاری/حدیث4579/کتاب التفسیر/باب لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا، اور، حدیث6948/کتاب الإِکراہ/باب5، اس کے علاوہ یہ روایت حدیث شریف کی دیگر کتب میں بھی ہے ،

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اِس قول سے ہمیں یہ پتہ چلا کہ اِسلام سے پہلے عورتوں پر کیے جانے ظلموں میں، اور اُن کی حق تلفی میں یہ بھی ہوا کرتا تھا کہ کوئی بھی بغیر کسی حق کے اُس کا وارث بن جاتا، اور اُس کی زندگی کے بارے میں جو چاہتا وہ فیصلے کرتا، اللہ جلّ وعزّ نے اپنے اِس آخری دِین میں عورت کے لیے وہ عزت، احترام اور حقوق عطاء فرمائے جو اُس سے پہلے کسی بھی معاشرے میں نہ تھے ،

لیکن افسوس کہ ہم غیروں کی باتوں اور فلسفوں کا شکار ہو کر اپنی عورتوں کو وہ کچھ دینے پر تو عموماً راضی نہیں ہوتے جو شرعی طور پر اُن کے حقوق میں سے ہے، لیکن اُسے """ حقوقِ نسواں """ سمجھتے ہیں، جو اُن کا حق نہیں، بلکہ اللہ اور اُس کے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی نافرمانیاں ہیں، گناہ ہیں، دُنیا اور آخرت کے عذاب ہیں ،

ہمارے زیر مطالعہ اِس قانون کے بارے میں بات کرتے ہوئے، اِس آیت شریفہ کی تفسیر میں قاضی، علامہ محمد بن عبداللہ اِبو بکر بن العربی (معروف بابن العربی) المالکی رحمہُ اللہ (متوفی 543ہجری) نے فرمایا """فَأَمَرَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ الْأَزْوَاجَ إذَا عَقَدُوا عَلَى النِّسَاءِ أَنْ يَكُونَ أُدْمَةُ مَا بَيْنَهُمْ وَصُحْبَتُهُمْ عَلَى التَّمَامِ وَالْكَمَالِ، فَإِنَّهُ أَهْدَأُ لِلنَّفْسِ، وَأَقَرُّ لِلْعَيْنِ، وَأَهْنَأُ لِلْعَيْشِ، وَهَذَا وَاجِبٌ عَلَى الزَّوْجِ ،،،،،،، وَمِنْ سُقُوطِ الْعِشْرَةِ تَنْشَأُ

الْمُخَالَعَةُ ، وَبِهَا يَقَعُ الشِّقَاقُ ، فَيَصِيرُ الزَّوْجُ فِي شِقٍّ ، وَهُوَ سَبَبُ الْخُلْعِ::: پس اللہ سبحانہُ نے خاوندوں کو حکم دِیا کہ جب وہ عورتیں سے نکاح کریں تواُن کے درمیان قرابت ہو، اور اُن کا ساتھ مکمل ہو، کیونکہ ایسا ہونا ہی نفوس کے لیے سکون والا ہوتا ہے، اور آنکھوں کے لیے ٹھنڈک والا ہوتا ہے، اور زندگی بسر کرنے کے لیے آسانی وراحت والا ہوتا ہے، اور ایسا کرنا شوہر پر واجب ہے ،،،،،،،،،، اور (اچھائی اور بھلائی کے) جانے پہچانے طور طریقوں کے مُطابق ساتھ نہ نبھانے کی وجہ سے دُوری پیدا ہوتی ہے، اور علیحدگی کا سبب ہوتا ہے، اور خاوند ایک طرف ہو جاتا ہے (اور بیوی ایک طرف)، اور یہ خلع کا (یعنی خاوند اور بیوی میں مستقل علیحدگی کا) سبب ہو جاتا ہے""" تفسیر احکام القران لابن العربی،

اور علامہ اِحمد بن علی اِبو بکر الرازی الجصاص الحنفی رحمہُ اللہ (متوفی 370 ہجری) نے اِس آیت شریفہ کی تفسیر میں، اِس قاعدے کی تفسیر میں فرمایا """وقوله تعالى: {وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ} أَمْرٌ لِلْأَزْوَاجِ بِعِشْرَةِ نِسَائِهِمْ بِالْمَعْرُوفِ, وَمِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ يُوفِيَهَا حَقَّهَا مِنَ الْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ وَالْقَسْمِ وَتَرْكِ أَذَاهَا بِالْكَلَامِ الْغَلِيظِ وَالْإِعْرَاضُ عَنْهَا وَالْمَيْلُ إلَى غَيْرِهَا وَتَرْكِ الْعُبُوسِ وَالْقُطُوبِ فِي وَجْهِهَا بِغَيْرِ ذَنْبٍ::: اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (یہ بتاتا ہے کہ اِس میں اللہ تعالیٰ نے) شوہروں کو حکم دِیا ہے کہ وہ بیویوں کے ساتھ (اچھائی اور بھلائی کے) جانے پہچانے طور طریقوں کے مُطابق وقت گذاریں، اور (اِس معاملے میں) اچھائی اور بھلائی یہ ہے کہ بیوی کے مہر، اخراجات، اور دیگر (چیزوں میں سے) حصے پوری طرح اُسے ادا کیے جائیں، اور اُسے سخت کلامی یا بری باتوں کے ذریعے بھی تکلیف نہ دی جائے، اور اُس سے کی طرف توجہ نہ کرنے اور کسی اور کی طرف توجہ کرنے سے باز رہا جائے، اور اُس کی طرف سے کوئی گناہ نہ ہونے کی صُورت میں اُس کے ساتھ غصے اور برے اخلاق کے ساتھ پیش نہ آ جائے، """ تفسیر احکام القران للجصاص،

اللہ جلّ شانہُ کے طرف سے بیان کردہ اِس قاعدے میں جو کوئی بھی تدبر کرے گا، اُس پر یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ کلام اِس کائنات کے اکیلے خالق و مالک اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ کا ہی ہے، ایسا سمجھ لینے کی کئی اسباب ہیں، مثلاً:::

::::::پہلا سبب:::::: دیکھیے کہ یہ قاعدہ، یہ قانون، صِرف دو الفاظ پر مشتمل ہے اور جب اِس میں تدبر کیا جاتا ہے تو اِس کی شرح اور تفیسر میں کتابیں لکھی جا سکتی ہیں، کسی اتنے بڑے موضوع کو اِس طرح دو الفاظ میں بند کر دینا کسی اِنسان تو کیا کسی بھی مخلوق کے بس میں نہیں،

ہم یہاں، اپنے اِس درس میں اِس لغوی اعجاز کو بیان نہیں کر رہے، صِرف اشارۃً ایک سبب ذِکر کیا جا رہا ہے،

::::::دُوسرا سبب:::::: اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے ساتھ وقت گذارنے کا معاملہ معروف، یعنی (اچھائی اور بھلائی کے) جانے پہچانے طور طریقوں کے مُطابق مکمل کرنے کا حکم فرمایا ہے، کسی ایک خاص طریقے، یا چند خاص طریقوں کا پابند نہیں فرمایا، کیونکہ وہ سب سے زیادہ، بہتر اور بے عیب طور پر جانتا ہے کہ مختلف لوگوں میں، مختلف علاقوں میں مختلف عادات ہوتی ہیں،، معاشی، معاشرتی، خاندانی، ازدواجی، ہر ایک سطح میں یہ فرق پایا جاتا ہے،

اور اِن عادات کی وجہ، سے میاں بیوی کے درمیان اختلافات کی وجوہات اور اُن کے حل بھی مختلف ہو جاتے ہیں، جو ہر علاقے، قبیلے، خاندان وغیرہ کے لوگوں میں اپنی اپنی جگہ میں معروف، یعنی جانے پہچانے ہوتے ہیں،

لہٰذا، ازدواجی زندگی کو جو کہ معاشرتی زندگی کا سب سے چھوٹا اور بنیادی جز ہے، اِس جز کے تمام تر معاملات و مسائل کواپنے ہاں پائے جانے والے معروف طور طریقوں پر گذارنے کا حکم فرمایا ہے،

ہمارے زیر مطالعہ موضوع یا معاملہ ہی کوئی اکیلا معاملہ نہیں جِسے اللہ تعالیٰ نے معروف یعنی جانے پہچانے طور طریقوں کے مُطابق نمٹانے، مکمل کرنے کا حکم دِیا، اِس کے عِلاوہ اور بھی معاملات ہیں، جن کے بارے میں اللہ عزّ و جلّ نے یہ حکم فرمایا کہ اُنہیں معروف کے مُطابق نمٹانے اور مکمل کرنے کا حکم فرمایا، مثال کے طور پر ہم اگر صِرف سورت بقرہ میں ہی دیکھیں تو ہمیں درج ذیل آیات شریفہ ایسی ملتی ہیں جن میں مختلف معاملات کو معروف کے مُطابق نمٹانے، مکمل کرنے کا حکم ہے:::

::: (1) :::﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ:::اے ایمان لانے والو، تُم لوگوں پر قتل کے معاملات میں قصاص فرض کر دِیا گیا ہے، آزاد اِنسان کے بدلے میں آزاد اِنسان اور غُلام کے بدلے میں غُلام، اور مؤنث (لڑکی عورت) کے بدلے میں مؤنث، اور جو کوئی اپنے (کسی مُسلمان) بھائی کو کسی معاملے میں معاف کر دے، تو معروف (نیکی) طور پر اُس کی تکمیل کی جائے، اور احسان کے ساتھ اُس ادا کیا جائے، یہ تُم لوگوں کے رب کی طرف سے تُم لوگوں کے لیے رعایت اور رحمت ہے، لہٰذا جو کوئی بھی اِس کے بعد حد سے تجاوز کرے گا تو اُس کے لیے دردناک عذاب ہے﴾سُورت البقرہ(2)/آیت 178،

::: (2) :::﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ:::تُم لوگوں پر یہ فرض کر دِیا گیا ہے کہ، جب تُم سے کسی کی موت آئے تو وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے معروف کے مُطابق وصیت کرے (ایسا کرنا) تقویٰ والوں پر حق ہے﴾سُورت البقرہ(2)/آیت 179،

اور اِرشاد فرمایا کہ ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ:::اور معروف کے مُطابق (شوہروں پر) اُن (کی بیویوں) کے لیے بھی اُسی طرح (حقوق) ہیں جیسا کہ بیویوں پر (شوہروں کے حقوق ہیں)﴾سُورت البقرہ(2)/آیت 228،

::: (3) :::﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ:::دو دفعہ (دی گئی) طلاق کی صُورت میں یا تو معروف کے مُطابق (بیوی کو واپس) پکڑ لینا ہے یا اچھے آسانی والے طریقے سے (عدت پوری ہو جانے پر) اُسے چھوڑ دینا ہے﴾سُورت البقرہ(2)/آیت 229،

[[یہ آیت شریفہ، ایک وقت میں ایک ہی طلاق ہونے کے دلائل میں سے ایک ہے، الحمد للہ اِس موضوع کو """ایک وقت میں ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے""" میں بیان کیا جا چکا ہے]]

::: (4) :::﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ:::اور گر تُم لوگ عورتوں کو طلاق دو اور وہ عورتیں اُن کے لیے مقرر کردہ مُدت تک پہنچ جائیں (یعنی عِدت پوری کر چُکیں) تو

(یا) تُم لوگ اُنہیں معروف کے مُطابق (واپس) پکڑ لو، یا، معروف کے مُطابق اُنہیں جانے دو﴾سُورت البقرہ (2)/آیت 231،

:::(5):::﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ:::لہٰذااور اگر تُم لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دے دو، اور اُن کی عدت پوری ہو جائے تو پھر اُنہیں اپنے (دُوسرے) شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو، جب کہ وہ نکاح کرنے کے لیے معروف طریقے پر راضی ہو جائیں﴾سُورت البقرہ (2)/آیت 232،

:::(6):::﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ :::اور بچے کے باپ پر فرض ہے کہ وہ دُودھ پلانے والیوں کو معروف طور پر کھانا اور کپڑا مہیا کرے﴾سُورت البقرہ (2)/آیت 233،

:::(7):::﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ:::اور تُم لوگوں سے جو مر جاتے ہیں اور بیویوں کو چھوڑ جاتے ہیں، تو وہ بیویاں (نکاح کرنے، یا نکاح کی کوشش کرنے، یا اپنے آپ کو ظاہر کرنے کروانے وغیرہ کی کوشش کرنے سے) چار مہینے اور دس دن تک رُکی رہیں، اور جب وہ (اِس طے شدہ معیاد، عِدت کی تکمیل) تک پہنچ جائیں تو تُم لوگوں پر کوئی گناہ نہیں کہ اگر وہ عورتیں معروف کے مُطابق (اپنے نکاح کا کوئی) معاملہ کر لیں﴾سُورت البقرہ (2)/آیت 234،

:::(8):::﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ :::اگر تُم عورتوں کو چھونے سے پہلے، یا اُن کا مہر مقرر کرنے سے پہلے ہی اُنہیں طلاق دے دو، تو تُم لوگوں پر کوئی گناہ نہیں، اور (ہاں ایسی صُورت میں) اُنہیں کچھ نہ کچھ ضرور دے دو، خوش حال پر اُس کی قدرت کے مُطابق اور تنگ حال پر اُس کی قُدرت کے مُطابق (کچھ مال و) متاع دینا ہے، ایسا کرنا احسان کرنے والوں پر حق ہے﴾سُورت البقرہ (2)/آیت 236،

:::(9)::: ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ:::اور طلاق یافتہ عورتوں کو بھی کچھ نہ کچھ دینا تقویٰ والوں پر حق ہے﴾سُورت البقرہ (2)/آیت 241،

اِس کے علاوہ دیگر سورتوں میں بھی کئی معاملات کے بارے میں یہ ہی حکم ہوا کہ اُن معاملات کو معروف کے مُطابق نمٹایا جائے،

پس ہم اِس قاعدے میں یہ بتایا گیا ہے کہ عورتوں (بیویوں) کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرتے ہوئے ہمیں اپنے ماحول اور معاشرے میں معروف، جانے پہچانے اچھائی اور بھلائی والے رویے اپنانے چاہیں،

اِس بات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب کے عِلاوہ اپنے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی زُبان مُبارک سے، اُن صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے حج کے موقع میں مشہور خطبہ الوداع میں بھی اِن الفاظ میں ادا کروایا کہ ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللَّهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ. فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ

وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ::: پس تُم لوگ عورتوں کے معاملہ میں اللہ (کے عذاب اور ناراضگی) سے بچو، کیونکہ تُم لوگ اُنہیں اللہ کی امان کے ساتھ اپناتے ہو (یعنی اللہ کے اُن احکام کو قبول کرتے ہوئے اپناتے ہو جو احکام اللہ نے اُن کے حقوق کے بارے میں دیے ہیں) اور اُن کی شرمگاہوں کو اللہ کی بات کے ذریعے حلال کرتے ہو، اور اُن پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے گھر میں کسی ایسے کو نہ آنے دیں جسے تم پسند نہ کرتے ہو، اور اگر وہ ایسا کریں تو (تمہیں حق ہے کہ) تُم اُنہیں ایسی مار مارو جو شدید نہ ہو، اور تُم لوگوں پر اُن کا حق ہے کہ اُنہیں معروف کے مُطابق کھانا (اور دیگر ضروریات) اور لباس مہیا کرو ﴾ صحیح مُسلم/حدیث 3009/کتاب الحج/باب 19،

جی، تو اِس موضوع رپ اور بھی بہت سی آیات اور احادیث موجود ہیں، ہم بات کو طویل نہیں کرنا چاہتے، اِس لیے اُن سب کا ذِکر نہیں کر رہے،

افسوس کہ ہم میں سے کئی مرد حضرات ایسے ہیں جو اُن آیات کا تو بہت ذِکر کرتے ہیں جو اُن کے، یعنی شوہروں کے حقوق کے بارے میں ہیں، اور اپنی قدرت اور جبروت کا عملی مظاہرہ بھی کرتے ہیں، لیکن اُن آیات شریفہ کو بھول جاتے ہیں جن میں بیویوں کے حقوق بیان فرمائے گئے ہیں،

چلتے چلتے یہ بھی کہا چلوں کہ بیویوں کو بھی ہر وقت شوہروں کے حقوق کے بارے میں اللہ اور اُس کے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کے احکامات یاد رکھنے چاہیں، """حقوقِ نسواں""" اور """گاڑی کے متوازی پہیوں""" جیسے غلط فلسفوں کا شِکار ہو کر اپنی اور اپنے خاندان کی زندگیوں کو اجیرن نہیں کرنا چاہیے،

آخر میں یہ گذارش ہے کہ یہ بات خُوب سمجھ کر یاد رکھنے والی ہے کہ کسی قوم کے ہاں ہر معروف انداز، طور، طریقے کو ہی اِستعمال کرنا دُرست قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ، یہ یقینی ہے کہ صِرف وہ معروف طور طریقے اپنائے جائیں گے جو اللہ اور اُس کے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی مقرر کردہ حُدود میں ہوں، کسی گناہ پر مشتمل نہ ہوں،

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق جاننے، ماننے، اپنانے اور اُسی پر عمل پیرا رہنے کی توفیق عطاء فرمائے، والسلام علیکم۔

قران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،، تیرہواں قاعدہ 13

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ

و الصَّلاةُ والسَّلامُ عَلیٰ رَسولہِ الکریم مُحمدٍ و عَلیٰ آلہِ وأصحابہِ وأزواجِہِ وَ مَن تَبِعَهُم بِإِحسانٍ إِلیٰ یَومِ الدِین ، أما بَعد :::

آج کی مجلس میں اِن شاء اللہ ہم قران کریم میں بیان کردہ ایک ایسے قاعدے، ایک ایسے قانون کو جانیں گے، جس کا تعلق ہمارے دِلوں کی ہر ایک دھڑکن کے ساتھ ہے، ہمارے اور ہمارے ساتھ کسی بھی طور کوئی بھی تعلق رکھنے والے ہر ایک اِنسان کے ساتھ ہے، اور ہمارے دور حاضر میں تو اِس قاعدے کو جاننے، اور اِس کے مُطابق عمل کی کرنے کی ضرورت سابقہ اُدوار سے کہیں زیادہ محسوس ہوتی ہے، کیونکہ ہمارے اِس دور میں ذرائع نقل و اشاعت اور اظہار خیالات کو جو آزادی ملی ہے اُس کے سبب ہر قِسم کے مُخالفین کی یلغار ہے،

میں جس قاعدے، جِس قانون کی بات کر رہا ہوں وہ قاعدہ، وہ قانون اللہ جلّ وعُلا کا یہ اِرشاد پاک ہے کہ ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ:::اور اللہ تُم لوگوں کے دُشمنوں کو (تُم لوگوں سے) زیادہ جانتا ہے﴾ سُورت النِساء (4)/آیت 45،

اِس قاعدے کو اچھے اور دُرُست طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اِس کے سیاق و سباق، یعنی اِس سے پہلے اور بعد کی آیات شریفہ کو بھی سمجھیے کہ یہ قاعدہ، یہ قانون کس پس منظر میں اِرشاد فرمایا گیا،

اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَنْ تَضِلُّوا السَّبِيلَ(44)وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا(45)مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا (46) :::کیا آپ اُن لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہیں (پہلے) والی کتاب (کے علم) میں سے حصہ دِیا گیا (لیکن) وہ (اُسی کتاب کو اِستعمال کر کے) گمراہی خریدتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم لوگ گمراہ ہو جاؤ (44) اور اللہ تم لوگوں کے دُشمنوں کو (تم لوگوں سے) زیادہ جانتا ہے، اور اللہ کافی ہے تم لوگوں کی نگہبانی اور مددگاری کے لیے اللہ کافی ہے (45) یہودیت اختیار کرنے والوں میں سے (ایسے بھی ہیں) جو بات کو اُس کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں (یعنی بات کو کچھ کا کچھ بناتے ہیں، بلا دلیل باطل تاویلات کرتے ہیں) اور کہتے ہیں، ہم نے سُنا اور ہم نے (جو کچھ سُنا اُسے) نہیں مانتے، اور (آپ سے، ظاہری الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ ہمیں) سُنو (صِرف اپنی) نہیں سناؤ، اور دِین میں برائی کے لیے اپنی زُبانوں کو موڑ مڑوڑ کر کہتے ہیں "راعنا"، اور وہ اگر یہ کہتے کہ، ہم نے سُنا اور مانا، اور (پھر یہ کہتے کہ ہماری) سُنیے، اور "اُنظرنا" ہمارے معاملات کو دیکھیے، تو (ایسا کہنا) اُن کے لیے خیر والا اور بہتری والا ہوتا، لیکن اُن کے اِنکار کی وجہ سے اللہ نے اُن پر لعنت کی، لہٰذا اُن میں سے اِیمان لانے والے (بہت ہی) کم ہیں (46)﴾ سُورت النِساء،

یہاں سے آگے چلنے سے پہلے """راعنا""" اور """اُنظرنا""" کے مفہوم کو سمجھتے ہیں،

عربی زُبان میں تو دونوں الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی بات سناتے ہوئے کچھ آہستگی کیجیے، اور ہمارے ساتھ کچھ رعایت کیجیے، تا کہ ہم بات کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم سے قران کریم سنتے یا دیگر احکام سنتے تو اُن کے ہاں معروف اِسی مفہوم کے مُطابق """راعنا""" کہا کرتے،

لیکن عبرانی میں اِس لفظ کا مفہوم حماقت والا کام، یا حماقت والی بات ہے، اور یہ بھی بتایا گیا کہ عبرانی میں یہ ایسے شخص کو کہا جاتا جسے احمق کہنا مقصود ہو،

پس اِلفاظ اور باتوں کے اصل عام معروف مفاہیم کو بدل کر کسی اور مفہوم میں اِستعمال کرنے، یعنی معنوی تحریف کی عادت کے مُطابق جو کہ یہودیوں کی خاص عادت تھی اور ہے، اِس عادت کے مُطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی کرتے ہوئے اور معاذ اللہ، اُن صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کو عبرانی کے بری صِفت والے مفہوم کا حامل کہنے کے لیے یہودیوں لعنھم اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف سے """راعنا""" کہنے کو آڑ بنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی بات مُبارک سنتے ہوئے یہ لفظ یعنی """راعنا""" کہتے،

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو اُن لعنتی یہودیوں کی زُبان جانتے تھے اور اِس """راعنا""" کا اُن لعنتی یہودیوں کے ہاں پایا جانا والا مفہوم جانتے تھے، جِن میں سے ایک انصاری صحابی سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ ُ بھی تھے ، لہٰذا جب سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ ُ نے اُن لعنتی یہودیوں کی یہ حرکت دیکھی تو کہا """ تم لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو، اب اگر تم لوگوں میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کو یہ لفظ کہا تو میں اُس کی گردن اُڑا دُوں گا """،

تو یہودیوں نے کہا کہ "تم لوگ بھی تو یہ کہتے ہو"،

تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے (سورت بقرہ میں) یہ آیت (104) نازل فرمائی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ::: اے إِیمان لے آنے والو (اپنے نبی کو) راعنا مت کہا کرو، اور (بلکہ) اُنظرنا کہا کرو، اور (اُس کی بات) سُنو، اور (یاد رکھو کہ) اِنکار کرنے والوں کے شدید دردناک عذاب ہے﴾،

یہ واقعہ تفسیر، اور آیات مُبارکہ کے نازل ہونے کے اسباب کے بیان کی بہت سے کتابوں میں منقول ہے،

افسوس، صد افسوس کہ اب ہمارے مُسلمانوں میں بھی کئی ایسے پائے جاتے ہیں جو یہی حرکت کرتے ہیں کہ اپنی بات کو دُرُست دِکھانے کے لیے، باطل کو حق کی طرح کا دِکھانے کے لیے اللہ جلّ وعُلا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی باتوں کے اِلفاظ کے اصل معانی اور مفاہیم میں تحریف کرتے ہیں اور اصل معانی اور مفاہیم کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ اور ہی، باطل مفاہیم بتا کر بات کو بدلتے ہیں،

"""راعنا""" اور """اُنظرنا""" کا مفہوم، اور """راعنا""" کہنے سے ممانعت اور اُس کی جگہ """اُنظرنا""" کہنے کی اجازت کا سبب جاننے کے بعد ہم اپنے آج کے درس میں زیر مطالعہ قاعدے، قانون ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ::: اور اللہ تُم لوگوں کے دُشمنوں کو (تُم لوگوں سے) زیادہ جانتا ہے﴾ کی طرف واپس آتے ہیں،

اِس قاعدے، اِس قانون کے سیاق و سباق، یعنی اِس سے پہلے اور بعد کی آیات شریفہ میں اللہ عزّ و جلّ نے ہمیں ہمارے اِرد گِرد پائے جانے والوں میں سے چند ایسے لوگوں کی پہچان کروائی ہے، جو ہمارے دُشمن ہیں،

وہ دُشمن جو قران کریم کے نازل ہونے کے وقت بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں،

::: (1) ::: اِبلیس، یعنی شیطان :::

اِبلیس، یعنی شیطان، بنی آدم یعنی انسان کا عمومی دُشمن ہے، کیونکہ اُس نے دُشمنیٔ آدم علیہ السلام سے شروع کی اور پھر اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کے لیے آدم علیہ السلام کی اولاد کو گمراہ کرنے کی مہلت مانگی، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے عیب حِکمت کے مُطابق اُسے دے دی، لیکن ساتھ یہ بھی بتا دِیا کہ اللہ کے سچے إِیمان والے بندوں پر اُس لعنتی کا کوئی وار نہیں چلے گا،

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے کلام شریف قران کریم میں بہت سے مقامات میں بالکل صاف اور کُھلے الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ شیطان بنی آدم کا دُشمن ہے،

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ بنی آدم کی اکثریت اپنے اور تمام تر مخلوق (جس میں اِبلیس بھی ہے) کے اکیلے خالق اللہ سُبحانہ ُ و تعالیٰ کی طرف سے اِس قدر واضح خبر کے بعد بھی اُس اِبلیس کو دُشمن اپنانے کی بجائے دوست اپناتی ہے، اُس لعنتی اِبلیس کی نافرمانی اور مخالفت کرنے کی بجائے اُس کی تابع فرمانی کرتی ہے اور اُس کی موافقت کرتی ہے،

اور اُس سے زیادہ افسوس کا مقام یہ ہے کہ اِبلیس کی تابع داری کرنے والوں، اُس لعنتی کی موافقت کرنے والوں میں

ہمارے کلمہ گو مُسلمان بھائی بہنوں کی بھی کوئی کمی نہیں ، بلکہ بہت بڑی تعداد اُس کے پیروکاروں کی صفوں میں شامل ہے ،
بنی آدم کی اِس گمراہی پر اللہ جلّ جلالہُ نے تعجب والے اسلوب میں ایک سوال کر کے بنی آدم کو بہت بڑی سوچ ،فِکر اور بہت گہرے تدبر کی طرف مائل فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا ﴿ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ::: ہو اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کریں ، تو سب نے ہی سجدہ کیا ، سوائے ابلیس کے ، وہ جِنّات (جِنوں) میں سے تھا ، اور اُس نے اپنے رب کی حکم عُدولی کی ، تو کیا تُم لوگ مجھے چھوڑ کر ابلیس اور اُس کی (رُوحانی اور جسمانی) اولاد کو دوست (راہبر ، راہنما) بناتے ہو ، اور (جبکہ تم لوگوں کو صاف صاف بتایا جا چکا ہے کہ) وہ تُم لوگوں کا دُشمن ہے ، (پس یاد رکھو کہ ، اللہ کی تابع داری چھوڑ کر ، شیطان کی دوستی اختیار کرنے کا ، اپنی ہی جانے پر) ظُلم کرنے والوں کے لیے بہت بُرا بدلہ ہے ﴾ سُورت الکھف (18)/آیت 50 ،

اِس آیت شریفہ میں اللہ عزّ و جلّ نے ایک تو ہمیں یہ بتایا کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا بلکہ ایک جن تھا ، اور دوسرا بنی آدم کی توجہ اِس حقیقت کی طرف مبذول کروائی کہ ، تم لوگ اپنی جس عقل ، تدبر ، اور فہم ، کے دعوے کرتے ہو وہ تمہیں تمہارے ازلی و ابدی دُشمن ابلیس سے بھی نہیں بچا پاتے ، پس در حقیقت تم عقل مند نہیں ، نہ ہی کوئی دُرست فہم رکھتے ہو اور نہ ہی تدبر کی حق راہ پر گامزن ہو ،

اِس حیرت والے اسلوب میں کیے گئے سوال میں انسانوں اور بالخصوص مُسلمانوں کے لیے ایک پیمانہ بھی مہیا فرمایا گیا ہے ، جسے میں ایک مثال کے ذریعے واضح کرتا ہوں ، اِن شاء اللہ ،

خیال رہے کہ ، اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ کے لیے تو اعلیٰ ترین مثال ہے ، پس میں اللہ جلّ شانہُ و تبارک اسمہُ کی شان یا کسی معاملے کی مثال نہیں دینے لگا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس تعجب انگیز اسلوب میں بیان کردہ سوال کی وضاحت کے لیے یہ مثال دیتا ہوں کہ ،

اگر کوئی انسان آپ کو یہ بتائے کہ فُلاں شخص آپ پر نظر رکھے ہوئے ہے ، اور آپ کی طرف سے کسی بھی غلطی یا کوتاہی کا منتظر ہے کہ جیسے ہی آپ کوئی کوتاہی کریں وہ آپ پر اپنا کوئی وار کر دے اور آپ کو کسی نہ کسی نقصان یا ذِلت میں مبتلا کر دے ، تو یقیناً آپ اُس خبر دینے والے شخص پر اپنے اعتبار اور اعتماد کے مطابق اُس کی خبر کو مانیں گے اور اُس کی خبر کے مُطابق عمل کریں گے ، اور اپنے اُس دُشمن سے بچنے کی پر ممکن کوشش کریں گے جس کے بارے میں اُس شخص نے آپ کو خبر دی کہ وہ آپ کا دُشمن ہے اور آپ پر گھات لگائے ہوئے ہے ، تو کیا آپ کے دِل میں اپنے رب ، اپنے اکیلے لا شریک خالق اور مالک پر اتنا اعتماد نہیں کہ وہ آپ کو بار بار بتا رہا کہ شیطان آپ کا کھلا دُشمن ہے اور آپ پھر بھی اللہ کو چھوڑ کر شیطان اور اُس کی (جسمانی اور رُوحانی) اولاد کو دوست بناتے ہیں ، اُن کی پیروی کرتے ہیں ؟؟؟ تو پھر اپنے رب پر کسی قدر ایمان رکھتے ہیں ؟؟؟ اور آپ کے دِل میں اُس کا کیا مُقام ہے ؟؟؟

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اور ہمارے سب ہی کلمہ گو بھائی بہنوں کو اپنے اللہ ، اور اُس کے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کا ہی تابع فرمان بننے کی ہمت عطاء فرمائے ، اور سب ہی اِنسانوں کو حق جاننے ماننے اور اپنانے کی توفیق عطاء فرمائے۔

:::(2):::گمراہ ہو چکے اور گمراہ کرنے والے عالِم:::

اِبلیس کی رُوحانی اولاد میں سے اللہ جلّ وعُلا نے ہمیں ایک گروہ کی کبر بھی عطاء فرمائی،

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اِنسانوں میں ایسا گروہ بھی ہوتا ہے جو "عالِم" سمجھے جاتے ہیں، اور کچھ عِلم رکھتے بھی ہیں، لیکن وہ اُس عِلم کے باجود گمراہ ہو چکے ہوتے ہیں،

اور ایسا اِس لیے ہوتا ہے کہ وہ لوگ اُن کو دیے جانے والے عِلم کو اللہ کی مقرر کردہ حُدود میں رہ کر سمجھنے کی بجائے اپنی خواہشات اور اپنے نفس کی وحی، بلا دلیل و حجت اَفکار (فِکروں)، آراء ، فلسفوں ، منطق، لغت، عِلم الکلام، خوابوں، الہام، کشف اور خود ساختہ من گھڑت غیر ثابت شدہ واقعات، کرامات، قصوں اور کہانیوں وغیرہ کے مُطابق سمجھتے ہیں،

پس گمراہی اختیار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اُنہیں گمراہی میں ہی چھوڑ دیتا ہے،

جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ:::کیا آپ نے ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنے نفس کی وحی کو اپنا معبود بنا لیا، اور (پھر اُس کے اپنے اختیار کرنے کی وجہ سے) اللہ نے اُسے عِلم والا ہونے کے باوجود گمراہ کر دِیا، اور اُس کی سماعت پر، اور دِل پر مہر لگا دِی، اور اُس کی بصارت پر پردہ ڈال دِیا، تو اب اسے اللہ (کی طرف سے مہریں لگا دیے جانے) کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟ کیا یہ لوگ سمجھتے نہیں؟﴾ سُورت الجاثیہ (45)/آیت 23،

ایسے ہی عالِم ہوتے تھے، اور ہیں جو اپنی گمراہی کو ہی حق ثابت کرنے کے لیے الفاظ کے مفاہیم کو بدلتے ہیں، باطل پر حق کا سا لباس چڑھاتے ہیں،

یہ معاملہ صِرف یہودیوں یا عیسائیوں یا دیگر کافر قوموں سے متعلق نہیں ہے، بلکہ ہم مُسلمانوں میں بھی ایسے گمراہ، اور گمراہ کرنے والے بہت سے "عالِم" پائے جاتے ہیں، جن کا مشاھدہ ہمیں آئے دِن ہوتا رہتا ہے، یہ وہ ہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ جلّ ثناوہُ نے اپنے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی زُبان شریف سے کئی خبریں ادا کروائیں، مثلاً :

﴿إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الأَئِمَّةَ الْمُضِلِّينَ:::میں اپنی اُمت کے بارے میں گمراہ کرنے والے عُلماء (راہنماؤں، سرداروں وغیرہ) سے خوف زدہ ہوں﴾ سنن ابو داؤد/حدیث 4254/کتاب الفتن/پہلا باب، سنن الترمذی/حدیث 2393/کتاب الفتن/باب 51،اِمام الالبانی رحمہُ اللہ نے صحیح قرار دِیا،

ہماری موجودہ صُورت حال اس بات کی گواہ ہے کہ ہماری صفوں میں ایسے کئی "عالِم" پائے جاتے ہیں جو سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں دیتے، اور کتنے ہی لوگ اُن کے فتوؤں، فرمودات، ملفوظات وغیرہ وغیرہ کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں، جن میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو ایسے کسی "عالِم" کے بارے میں حسن ظن کا یا بے جا عقیدت کا شکار ہوتے ہیں، اور وہ لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو اِس "عالِم" کی حقیقت تو جانتے ہیں لیکن چونکہ اُس کی باتوں میں اُن لوگوں کی خواہشات کی تکمیل کا کوئی راستہ ملتا ہے لہذا اُس "عالِم" کی اتباع کرتے ہیں،

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہمارے ہر مسلمان بھائی اور بہن کو ایسے گمراہ کرنے والے "عالموں" کی پہچان کرنے اور اُن سے

بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

::: (3) ::: مُسلمانوں اور اِسلام کے خِلاف کام کرنے والے لوگ (کافر ہوں یا مُسلمان) :::

ہمارے رب اللہ جلّ ثناؤہُ نے ہمیں ہمارے دُشمنوں کے بارے میں جو خبریں عطاء فرمائی ہیں، اُن میں یہ خبر بھی ہے کہ وہ کافر جو کِسی بھی طور اللہ کے دِین اِسلام، اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کریم کے احکامات اور تعلیمات، اور اللہ کے دِین کو ماننے والوں کے خِلاف کام کرتے ہیں وہ ہمارے دُشمن ہیں، خواہ وہ کافروں میں سے ہوں یا مُسلمان ہوں، یا مُسلمانوں کی صفوں میں دِکھائی دیتے ہوں،

کافروں میں ایسے لوگوں کا وجود تو معروف ہے، اور ہم مُسلمانوں کے درمیان ایسے لوگوں کا پایا جانا بھی ایک اٹل حقیقت ہے، جو اللہ کے دِین کے خِلاف کام کرتے ہیں، اور ایسے بے چاروں لا چاروں کا پایا جانا بھی دکھائی دیتا ہے جو حسبی نسلی مُسلمان ہوتے ہیں، لیکن کافروں کی مختلف سوچوں، فِکروں، فلسفوں اور منطقوں وغیرہ کا شِکار ہو کر اپنے ہی مُسلمانوں اور اللہ کے دِین کے خِلاف کام کرتے ہیں، اُن میں سے اکثر تو ایسے ہوتے ہیں جو خود کو مصلح یعنی اصلاح کرنے والے، حق گو، اور اِسلام کے خدمت گار وغیرہ سمجھتے ہیں، جبکہ وہ فساد پھیلا رہے ہوتے ہیں، باطل گو ہوتے ہیں، اور اللہ کے دِین کے خلاف کام کر رہے ہوتے ہیں،

ایسے تمام لوگوں کے ساتھ لگاؤ، محبت اور دوستی والا رویہ رکھنا جائز نہیں،

لیکن جو لوگ اللہ کے دِین اور مُسلمانوں کے خِلاف کام کرنے والے نہیں اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ممانعت نہیں، مگر محبت اور دوستی تو اُن کے ساتھ بھی جائز نہیں،

اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ کا اِرشاد گرامی ہے ﴿لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ::: اللہ تم لوگوں کو اُن سے (اچھا سلوک رکھنے سے) نہیں روکتا جن لوگوں نے تم لوگوں کے ساتھ لڑائی نہیں کی، اور تم لوگوں کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ بھلائی اور انصاف والا رویہ رکھنے سے نہیں روکتا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے پیار کرتا ہے، بلکہ اللہ تو تُم لوگوں کو اُن لوگوں کے ساتھ دوستی اور لگاؤ رکھنے سے روکتا ہے جن لوگوں نے تم لوگوں کے ساتھ تمہارے دِین (کے معاملات) میں لڑائی کی، اور تم لوگوں کو تمہارے گھروں سے نکال دِیا، اور تم لوگوں کو نکالنے میں (ایک دُوسرے کی) مدد کی، اور جِس نے اُن لوگوں کے ساتھ دوستی (اور لگاؤ وغیرہ) رکھا تو وہ لوگ ہی ظالم ہیں﴾ سُورت المُتحنہ (60)/آیت 8 اور 9،

پس ایسے لوگ جو کسی بھی طور اللہ کے دِین کے خلاف، اور مسلمانوں کے خِلاف کام کرنے والے ہوں، خواہ کافروں میں سے ہوں یا کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں میں سے، ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی، محبت، لگاؤ وغیرہ رکھنا جائز نہیں، بلکہ اُن کی چال بازیوں کا اللہ اور اُس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وسلم کی مقرر کردہ حُدود میں رہتے ہوئے جواب دِیا جانا مطلوب ہے، کیونکہ یہ لوگ اللہ کے دِین کے اور اُس دِین کے ماننے والے مُسلمانوں کے دُشمن ہیں۔

::: (4) ::: مُنافق، بظاہر مُسلمان دکھائی دینے والے لوگ، سب سے زیادہ خطرناک دُشمن :::

ہمارے جِن دُشمنوں کا ذِکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب قُران کریم میں کیا ہے، اُن میں سے سب سے زیادہ ذِکر منافقوں کا ہے، جی ہاں، ایسے لوگ جو بظاہر مُسلمان دِکھائی دیتے ہیں، مُسلمان ہونے کا، اچھے مُسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور بظاہر کئی ایسے کام کرتے ہیں جن کے ذریعے یہی لگے کہ وہ بڑے اچھے مُسلمان ہیں، لیکن اُن کا باطن اللہ کے دِین، اور اُس دِین کے ماننے والوں، اُس دِین پر عمل کرنے والوں کے لیے دُشمنی اور نفرت سے لبریز ہوتا ہے، اور وہ اللہ کے دِین اور مُسلمانوں کو خفیہ طور و انداز میں نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ سب سے زیادہ خطرناک دُشمن ہیں، جی ہاں، ایسا ہی ہے، اللہ جلّ وعُلا کے اِس فرمان میں تدبر کیجیے ﴿وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ::: اور جب آپ اُن کے جسموں کو دیکھتے ہیں تو (اُن کے قد کاٹھ رنگ روپ کی وجہ سے) وہ آپ کو اچھے لگتے ہیں، اور جب وہ لوگ بات کرتے ہیں تو (اُن کے اندازِ کلام اور چرب زبانی کی خوبصورتی کی وجہ سے) آپ توجہ سے سنتے ہی رہ جاتے ہیں، لیکن (حقیقت میں) وہ لوگ (کسی چیز یا دیوار کے ساتھ) چُن کر رکھ دی گئی لکڑیوں کی طرح ہیں، (اور اِس قدر ڈرپوک ہیں کہ) ہر زوردار آواز کو یہ اپنے پر (آنے والی کوئی مصیبت ہی) سمجھتے ہیں، یہ ہی سب سے خطرناک دُشمن ہیں، لہذا اِن سے ہوشیار اور چوکنا رہیے (اور اِن سے بچ کر رہیے)، اللہ انہیں غارت کرے (گا) یہ (نہیں جانتے کہ یہ لوگ اپنی گمراہی اور کفر میں) کہاں (تک) بھکے جا رہیں﴾ سُورت المنافقون (63)/آیت 4،

قارئین کرام، توجہ فرمایے، لفظ """عَدُوٌ""" کا معنی ہے """دُشمن"""، اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ نے اپنے کلام پاک قران کریم میں یہ لفظ 23 دفعہ، مختلف شخصیات کے لیے اِستعمال فرمایا ہے،

اور سب جگہ یہ لفظ عام انداز میں (نکرہ) کے طور پر اِستعمال فرمایا ہے،

لیکن صِرف اِس مذکورہ بالا آیت شریفہ میں، اور صِرف مُنافقین کے بارے میں خبر عطاء فرماتے ہوئے، مُنافقین کا ذِکر """العَدُوُّ""" کہہ کر کیا ہے، یعنی """الف، اور لام، ال""" کے اضافے کے ساتھ """معرفہ (معرف ب ال""" کے طور پر کیا ہے، جو بہت واضح طور پر یہ سمجھاتا ہے کہ یہ دُشمن دیگر ذِکر کردہ تمام تر دُشمنوں سے بڑھ کر خطرناک ہے،

اور یہ بھی ملاحظہ فرمایے، محترم قارئین، کہ اللہ عزّ وجلّ نے اپنے کلام شریف قران حکیم میں کسی قوم، کسی گروہ، کسی مذھب کا اتنا ذِکر نہیں کیا، جتنا ذِکر منافقوں کا کیا گیا ہے،

قارئین کرام، سورت بقرہ کے آغاز کا مطالعہ فرمایے، اور غور فرمایے تو آپ کو پتہ چلے گا، اِس مُقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے مُنافقین کے حقیقت اور اُن کی نشانیاں بڑی ہی وضاحت سے بیان فرمائی ہیں،

إمام محمد بن ابو بکر ابن القیم الجوزیہ رحمہُ اللہ کا کہنا ہے """وَقَدْ هَتَكَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ أَسْتَارَ الْمُنَافِقِينَ، وَكَشَفَ أَسْرَارَهُمْ فِي الْقُرْآنِ، وَجَلَّى لِعِبَادِهِ أُمُورَهُمْ، لِيَكُونُوا مِنْهَا وَمِنْ أَهْلِهَا عَلَى حَذَرٍ، وَذَكَرَ طَوَائِفَ الْعَالَمِ الثَّلَاثَةَ فِي أَوَّلِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ: الْمُؤْمِنِينَ، وَالْكُفَّارَ، وَالْمُنَافِقِينَ. فَذَكَرَ فِي الْمُؤْمِنِينَ أَرْبَعَ آيَاتٍ، وَفِي الْكُفَّارِ آيَتَيْنِ، وَفِي الْمُنَافِقِينَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ آيَةً، لِكَثْرَتِهِمْ وَعُمُومِ الِابْتِلَاءِ بِهِمْ، وَشِدَّةِ فِتْنَتِهِمْ عَلَى الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ، فَإِنَّ بَلِيَّةَ الْإِسْلَامِ بِهِمْ شَدِيدَةٌ جِدًّا، لِأَنَّهُمْ مَنْسُوبُونَ إِلَيْهِ، وَإِلَى

نُصْرَتِهِ وَمُوَالَاتِهِ، وَهُمْ أَعْدَاؤُهُ فِي الْحَقِيقَةِ, يُخْرِجُونَ عَدَاوَتَهُ فِي كُلِّ قَالَبٍ يَظُنُّ الْجَاهِلُ أَنَّهُ عِلْمٌ وَإِصْلَاحٌ، وَهُوَ غَايَةُ الْجَهْلِ وَالْإِفْسَادِ.

فَلِلَّهِ كَمْ مِنْ مَعْقِلٍ لِلْإِسْلَامِ قَدْ هَدَمُوهُ؟ ! وَكَمْ مِنْ حِصْنٍ لَهُ قَدْ قَلَعُوا أَسَاسَهُ وَخَرَّبُوهُ؟ ! وَكَمْ مِنْ عِلْمٍ لَهُ قَدْ طَمَسُوهُ؟ ! وَكَمْ مِنْ لِوَاءٍ لَهُ مَرْفُوعٍ قَدْ وَضَعُوهُ؟ ! وَكَمْ ضَرَبُوا بِمَعَاوِلِ الشُّبَهِ فِي أُصُولِ غِرَاسِهِ لِيَقْلَعُوهَا؟ ! وَكَمْ عَمَّوْا عُيُونَ مَوَارِدِهِ بِآرَائِهِمْ لِيَدْفِنُوهَا وَيَقْطَعُوهَا؟ ! .

فَلَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ وَأَهْلُهُ مِنْهُمْ فِي مِحْنَةٍ وَبَلِيَّةٍ، وَلَا يَزَالُ يَطْرُقُهُ مِنْ شُبَهِهِمْ سَرِيَّةٌ بَعْدَ سَرِيَّةٍ، وَيَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ بِذَلِكَ مُصْلِحُونَ {أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ}:::اور اللہ سبحانہ ُ نے قران میں مُنافقین کا پردہ چاک کر دِیا ہے اور اُن کے راز فاش کر دیے ہیں،اور اپنے (اِیمان والے) بندوں کے لیے مُنافقوں کے معاملات واضح کر دیے ہیں تا کہ مؤمنین اُن سے اپنا ہوشیار رہیں (اور اپنا بچاؤ کریں)،

اور اللہ تعالیٰ نے پورے عالم کے (انسانوں کے) تینوں ہی گروہوں کا ذِکر سورت بقرہ کے آغاز میں کر دِیا ہے، (اور وہ تین گروہ یہ ہیں) اِیمان والے (مؤمنین)، کافر، اور مُنافق،

اللہ تعالیٰ نے (یہاں سُورت بقرہ کے آغاز میں) مؤمنین کے ذِکر میں چار آیات اِرشاد فرمائیں، اور کافروں کا ذِکر دو آیات شریفہ میں کیا، اور مُنافقین کے ذِکر میں تیرہ 13 آیات نازل فرمائیں، اور ایسا (کرنے کے بنیادی اسباب میں) مُنافقین کی کثرت، اُن کی طرف سے اِسلام اور مُسلمانوں کے لیے مشکلوں، مُصیبتوں اور فتنوں کا تسلسل اور شدت سے جاری رہنا ہے،

چونکہ مُنافقین، اِسلام (اور مُسلمانوں) سے منسوب ہوتے ہیں، اور اِسلام (اور مُسلمانوں) کی مدد اور دوستی کے دعویٰ دار ہوتے ہیں، اور حقیقت میں وہ لوگ اِسلام (اور مُسلمانوں) کے دُشمن ہیں، اِس لیے مُنافقین، اِسلام (اور مُسلمانوں) کے لیے بہت بڑی اور شدید مُصیبت ہیں،

مُنافقین اپنی دُشمنی ہر انداز میں نکالتے ہیں اور (اِسلام کے بارے میں صحیح) عِلم نہ رکھنے والے لوگ اِن مُنافقین کی اُن (قولی اور عملی) کاروائیوں کو عِلم اور اِصلاح (بھلائی اور اچھائی وغیرہ) سمجھتے ہیں، جبکہ یہ (سب کی سب) کاروائیاں جہالت اور فساد کی انتہاء (تک پہنچی ہوئی اور پہنچانے والی) ہوتی ہیں،

(آپ ذرا دیکھیے اور غور کیجیے تو آپ جان جائیں گے کہ) اِسلام (اور مُسلمانوں) کے کتنے قلعے اِن مُنافقوں نے توڑے، اور اِسلام (اور مُسلمانوں) کی کتنی پناہ گاہوں کی بنیادیں اِن مُنافقین نے اُکھاڑیں اور اُنہیں خراب کیا، اور اِسلام (اور مُسلمانوں) کے کتنے عُلوم اِن مُنافقوں نے (اپنی غلط سوچیں، فِکریں، اور آراء وغیرہ شامل کر کے، اور غلط تاویلات کر کے) اُن عُلوم کو بگاڑ دِیا، اور اِسلام (اور مُسلمانوں) کے کتنے ہی ایسے سر بُلند جھنڈے تھے جو مُنافقوں نے گرا دیے، اور اِسلام کی جڑوں کی کھیتی میں شکوک اور شبہات کی کُدال سے کتنے ہی وار کیے تا کہ اُن جڑوں کو اکھیڑ سکیں، اور اِسلام (کی تعلیمات اور احکام) کے کتنے ہی مصادر کو اِن مُنافقین نے اپنی رائے (شکوک و شبہات اور فلسفوں، منطقوں وغیرہ کی اندھی دُھند) میں اندھیرا کر دِیا تا کہ اُنہیں کاٹ دیں، دفن کر دیں، اور ابھی تک اِسلام اور مُسلمان کو اِن منافقوں کی وجہ سے پے در پے مصیبتوں، مُشقتوں، اور پریشانیوں سے معرکہ آرا رہنا پڑتا ہے، اور یہ مُنافق اپنے کاموں کی وجہ سے اپنے

آپ کو اِصلاح کرنے والے سمجھتے ہیں (بلکہ یقیناً اِن کی اور اِن کے کاموں کی حقیقت یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے سُورت بقرہ کی آیت 12 میں اِن مُنافقوں کی صِفات میں ذِکر کر دی ہے کہ) ﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِن لَّا يَشْعُرُونَ ::: بے شک وہی (مُنافقین) لوگ ہی فساد کرنے والے ہیں، لیکن وہ لوگ (اپنی اِس حقیقت کو) سمجھ نہیں پاتے﴾""" مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين/ فَصْلٌ فِي أَجْنَاسِ مَا يُتَابُ مِنْهُ/فصل فی نفاق،

اِمام صاحب رحمہُ اللہ کا یہ مذکورہ بالا تجزیہ بالکل حقیقت ہے،آپ اگر اپنی مُسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو بڑی ہی وضاحت سے پتہ چلے گا کہ مُنافقوں نے اِسلام کے خلاف کِس قدر کارروائیاں کی ہیں،اور کر رہے ہیں،

رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے دور مُبارک سے لے کر آج تک یہ مُنافق طرح طرح سے اِسلام، اور مُسلمانوں کے خِلاف کاروائیاں کرتے چلے آرہے ہیں،

کہیں منطق ، فلسفے، رائے، سوچ و فِکر، جدید عُلوم اور نئے دور کی ضرو یارت کے رنگ برنگ اور دلپذیر عناوین کے تحت مُسلمانوں اور غیر مُسلموں کے دِلوں اور ذہنوں میں اِسلام کے عقائد،احکام،اور تعلیمات کے خِلاف شکوک و شبہات پیدا کر کے،

اور کہیں اللہ جلّ ثناوہُ کے فرامین کی باطل تاویلات کر کے،اپنی مرضی کے معانی اور مفاہیم نکال کر، جسے دوسرے الفاظ میں معنوی تحریف کہا جاتا ہے،اور جس کی اِسی قران کریم،اور صاحبِ قران محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی صحیح ثابت شدہ سُنّت شریفہ میں کوئی رتی برابر تائید بھی میسر نہیں ہوتی،

اور کہیں نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی ذات شریف کے بارے میں،اُن کی سُنّت مُبارکہ کے بارے میں طرح طرح کے سوالات اور اعتراضات ظاہر کر کے، اور اپنی اِسلام پسندی ، اور حبِ رسول کا دھوکہ دینے کے لیے سوالات اور اعتراضات کچھ اِس انداز میں کرتے ہیں کہ ، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ قول یا یہ فعل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی شان کے مطابق نہیں، وغیرہ وغیرہ،

تا کہ اُن کی خرافات سُننے اور پڑھنے والے انہیں محبِ رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم سمجھیں اور اُن کی منافقت کا شِکار ہو جائیں،

اور کہیں صحابہ رضی اللہ عنہم اَجمعین کی شخصیات اور اُن کے مختلف ثابت شدہ اور غیر ثابت شدہ اقوال و افعال کے بارے میں سوالات اور اعتراضات کر کے،

اور کہیں اپنی مرضی کے مذاھب اور مسالک کی ترویج کے لیے جھوٹی کہانیاں قصے، حدیث کی اور تاریخ کی روایات پھیلا کر، سُبحان اللہ کہ اِن مُنافقین کے نام مختلف ہوتے رہے ہیں، لیکن آغاز سے آج تک مُنافقوں کا یہی مسلک ہے، یہی راہ ہے، عبداللہ بن اُبیّ بن سلول، سے لے کر آج تک یہ لوگ مختلف ناموں سے ایک ہی ھدف کے لیے کام کر رہے ہیں ، اور وہ ھدف ہے اللہ کے دِین اِسلام اور اُس دِین کے ماننے والے مُسلمانوں کو کسی بھی طور نقصان پہنچانا،

جو کوئی بھی مُسلمانوں کی تاریخ میں نظر کرے گا وہ جان لے گا کہ اِس مُنافق عبداللہ بن بن اُبیّ بن سلول کی روحانی اولاد آج بھی مختلف ناموں، اور مختلف دل پذیر لیکن دھوکہ دہی پر مشتمل القابات کی آڑ میں وہی کچھ کیے جارہی ہے جو اُس بد

بخت نے کیا،

:::::نِفاق کی اِقسام، مختصر تعارف:::::

چلتے چلتے، ایک اضافی فائدے کے طور پر یہاں نِفاق کی بنیادی اِقسام کا تعارف بھی کرواتا چلوں،

نِفاق کی، کُفر کی طرح دو اِقسام ہیں،

:::::(1):::::عملی نِفاق::::: یعنی وہ کام، جو مُنافقت کی نشانیاں ہیں، پس جو کوئی اِن کاموں کو کرتا ہو، یا اِن میں سے کوئی بھی کام کرتا ہو، وہ عملی طور پر مُنافق ہوتا ہے، یعنی، اُسے کے عقائد میں مُنافقت ہو یا نہ ہو، یہ ایک الگ معاملہ اور مسئلہ ہے لیکن اُس کے عمل میں مُنافقت ہوتی ہے، لہذا اُسے اصطلاحی طور پر عملی مُنافق بھی کہا جاتا ہے،

اِن نشانیوں کی خبر ہمیں، ہمارے رب تعالیٰ نے اپنے خلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی زُبان پاک سے کروائی، پس اُنہوں نے اِرشاد فرمایا ﴿آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلاَثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ ::: مُنافق کی تین نشانیاں ہیں::: (1) جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے (یعنی اُس کی بات میں کہیں نہ کہیں، کچھ نہ کچھ جھوٹ ضرور شامل رہتا ہے)، اور (2) اور جب وعدہ کرتا ہے تو اُسے پورا نہیں کرتا، اور (3) اور اگر اُسے کوئی اَمانت سونپی جائے تو خیانت کرتا ہے﴾ صحیح بُخاری/حدیث 33/کتاب الایمان/باب 24، صحیح مُسلم/حدیث 220/کتاب الایمان/باب 27،

اور ایک دوسری روایت میں اِرشاد فرمایا ﴿أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا ، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ ::: جس کسی میں (یہ) چار صِفات ہوں وہ خالص مُنافق ہے، (1) اگر اُسے کوئی اَمانت سونپی جائے تو خیانت کرتا ہے، اور (2) جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، اور (3) جب عہد کرتا ہے تو غداری کرتا ہے، اور (4) جب جھگڑا کرتا ہے تو پھٹ جاتا ہے (یعنی گالی گلوچ، بد کلامی یا فُحش گوئی کرنے لگتا ہے)، اور جِس کسی میں اِن (چاروں) میں سے کوئی خصلت (عادت، صِفت) ہو تو اُس شخص میں نِفاق کی خصلت ہے، یہاں تک کہ وہ اُسے چھوڑ دے﴾ صحیح بُخاری/حدیث 34/کتاب الایمان/باب 24، صحیح مُسلم/حدیث 219/کتاب الایمان/باب 27،

:::::مختصر شرح::::: اِن دونوں مذکورہ بالا احادیث شریفہ میں پانچ کاموں کو مُنافقت کی نشانیاں بتایا گیا ہے اور جس کسی سے یہ کام ظاہر ہوتے ہوں اُسے مُنافق قرار دِیا گیا ہے،

(1) جھوٹ بولنا (2) وعدہ خلافی (3) امانت میں خیانت کرنا (4) عہد کر کے غداری کرنا (5) لڑائی جھگڑے کی صُورت میں بد کلامی اور فُحش گوئی کرنا

احادیث شریفہ میں یہ کام اکثر و بیشتر کرنے والے کو مُنافق بتایا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص سو میں سے کوئی پانچ دس دفعہ جھوٹ نہ بولتا ہو، یا وعدہ پورا کر لیتا ہو، یا اَمانت ادا کر دیتا ہو تو وہ اِس عملی مُنافقت سے بَری قرار پائے گا، بلکہ جو کوئی اِن کاموں میں سے جو بھی کام جس قدر کرتا ہو گا اُسی قدر مُنافقت کا حامل ہو گا، اور مُنافق کے حکم میں ہی رہے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ہر قِسم کے مُنافقین اور نِفاق کو جاننے پہچاننے اور اِن کے شر سے محفوظ رہنے کی ہمت عطاء فرما رکھے۔

:::::(2):::::اعتقادی نِفاق::::: عملی نِفاق سے زیادہ خطرناک ہے،اعتقادی نِفاق، یعنی وہ نِفاق جو کسی کے عقیدے میں پائی جاتی ہے،جس کی کچھ بڑی نشانیاں درج ذیل ہیں :::

اِسلام سے کراھت،ناپسندیدگی، (1) اِسلام کی عِزت پر دُکھ اور کراھت (2) کفر کے ظاہر ہونے پر خوشی (3) کفر کے کامیاب ہونے پر خوشی (4) کافروں کی خوشی پر خوشی (5) مُسلمانوں کی پریشانی پر خوش ہونا (6) مُسلمانوں کی رسوائی پر خوش ہونا (7) مُسلمان عُلماء کی رسوائی پر خوش ہونا، وغیرہ،

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور تمام تر مُسلمانوں کو اپنے درمیان پائے جانے والے اِن شدید خطرناک دُشمنوں سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ صادر کر رکھا ہے کہ ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ::: بے شک مُنافقین جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے اور آپ اُن کے لیے کوئی مددگار نہیں پائیں گے﴾سُورت النِساء (4)/آیت 145۔

:::(5):::ہمارے دوست:::

جی ہاں،ایسا بھی ہے،کہ ہمارے دوستوں میں ہی ہمارے کچھ دُشمن بھی ہوتے ہیں،

آپ اگر یہ جاننا چاہیں کہ آپ کے کون سے دوستوں میں سے کون آپ کا دُشمن نہیں ہے تو آپ کو اپنے تمام دوستوں کے تقوے کے بارے میں جاننا ہو گا، تقویٰ والے تو آپ کے دوست ہی ہوں گے، لیکن جو لوگ تقویٰ والے نہ ہوں گے وہ درحقیقت آپ کے دوست نہیں، جس کے ہاں تقویٰ جس قدر کم ہو گا وہ ایک دِن اُسی قدر آپ سے دُشمنی کا اظہار کر دے گا،

جی ہاں وہ دِن ہو گا قیامت کا دِن، ہمارے ایسے کتنے ہی دوست ہوں گے جن سے دُنیا کی زندگی میں ہماری بڑی محبت چاہت، اُلفت، والا تعلق ہو گا،وہ ہمارے لیے بڑی مُشقت کرتے ہوں گے، بلکہ قربانی دیتے ہوں گے، ہمارے پسینے پر اپنا خون بہاتے ہوں گے، لیکن تقویٰ والے نہ رہے ہوں گے، پس قیامت والے دِن وہ ہمارے دُشمن بن جائیں گے، اور ہم اُن کے،

غصہ مت کیجیے گا محترم قارئین کرام، میری یہ باتیں، میری سوچ و فکر کی پرواز نہیں، وہم و گمان کی اُڑان نہیں، بلکہ میرے اور آپ کے اکیلے خالق اور مالک اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ کی دی ہوئی خبر کے مُطابق ہے،

﴿الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ::: اُس دِن بہترین دوست (بھی) ایک دُوسرے کے دُشمن ہو جائیں گے، سوائے تقویٰ والوں کے﴾سُورت الزخرف (43)/آیت 67،

پس جو کوئی تو اھل تقویٰ ہو گا، متقی ہو گا، وہی آپ کا دُنیا اور آخرت میں سچا اور حقیقی دوست ہے،اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی ہدایت پر نہ ہوتا،وہ متقی نہیں ہوتا، اُس کی شخصیت تقویٰ والی نہیں ہوتی، پس وہ آپ کا حقیقی اور سچا دوست نہیں ہوتا، خواہ وہ دُنیاوی معاملات میں آپ کے لیے کتنی ہی محبت چاہت، دُکھ درد، اور مددگاری والا رویہ رکھتا ہو، آپ کے پسینے پر خون بہانے والا ہو، لیکن یقین جانیے اور اِس پر اِیمان رکھیے کہ وہ آپ کا دوست نہیں، بلکہ دُشمن ہے کیونکہ آخرت میں وہ آپ کی دوستی سے برأت کا اظہار کرے گا اور آپ اُس کی دوستی سے،

ہمیں ہمارے اللہ الغفور الرحمٰن الرحیم، آپ کے اور تمام تر مخلوق کے اکیلے اور لاشریک خالق اللہ جل ثناوہُ نے اپنے

دوستوں میں سے اُن کو پہچاننے کا طریقہ بھی بتا دِیا ہے جو آخرت میں ہمارے دُشمن ظاہر ہوں گے اور ہم پچھتائیں گے کہ کاش ہم نے اِن کو دوست نہ بنایا ہوتا، یہ وہ دوست ہوں گے جو ہمیں اللہ اور اُس کے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی اطاعت والی راہ پر نہیں چلنے دیتے، دُنیا کے ہر کام میں خوب مدد کرتے ہیں، دِین اور آخرت کے معاملات میں دُور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ○ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ○ لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا:::اور اُس (قیامت والے) دِن (اللہ کے احکام کا انکار اور نافرمانیاں کر کے اپنی جان پر ظلم کرنے والا) ظالم (دُکھ اور افسوس سے) اپنے دونوں ہاتھوں پر کاٹے گا اور کہے گا اے کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اپنایا ہوتا○اے کاش میں نے فُلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا○اِس نے مُجھ تک ہدایت آنے کے بعد مجھے بھٹکا دِیا، اور شیطان تو اِنسان کو رُسواہی کرنے والا ہے﴾سُورت الفُرقان (25)/آیات 27،28،29،

پس میرے محترم مُسلمان بھائیوں اور بہنو، پہچان لیجیے اُن لوگوں کو جو آپ کے ساتھ بہت ہی ہمدرد اور مددگاری والا رویہ رکھتے ہیں، آپ کے دُکھ درد میں کام آتے ہیں، لیکن آپ کو اللہ اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی اطاعت سے روکتے ہیں، یا اُس اطاعت سے دُور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں،

ایسے لوگ آپ کے دوست نہیں، بلکہ آپ کے رب اللہ عزّ و جلّ کے فرامین کے مطابق آپ کے دُشمن ہیں،

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمارے تمام تر ظاہری اور خفیہ دُشمنوں کو پہچاننے اور اُن کے ہر شر سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے،

والسلام علیکم۔

قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)، چودہواں قاعدہ 14

بِسمِ اللَّہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ

و الصَّلاۃُ والسَّلامُ عَلیٰ رَسولہِ الکریم مُحمدٍ و عَلیٰ آلہِ وَأصحابہِ وَأزواجِہِ وَ مَن تَبِعَھُم بِاِحسانٍ إِلیٰ یَومِ الدِین ، أما بَعد :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ:::اور صُلح کرنا خیر (والا کام) ہے﴾سُورت النِساء (4)/آیت 128،

اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان ہمارے موضوع "قرآن میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں چودہویں (14th) قانون کے طور پر بیان کیا جارہا ہے،

یہ مذکورہ بالا قاعدہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میاں بیوی کی ازدواجی زندگی میں ایسی مشکلات پیش آنے کی صُورت میں حل کے طور پر بیان فرمایا، جِن مُشکلات کے نتیجے میں عموماً علیحدگی ہوتی دِکھائی دیتی ہے، اور اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ کے کلام پاک کے اسلوب کے مطابق یہ قاعدہ (قانون، اصول) بھی صِرف ازدواجی زندگی کے معاملات کے لیے خاص نہیں، بلکہ اِنسانی زندگی کے ہر معاملے پر اسکا نفاذ کیا جاسکتا ہے، اور کیا جانا چاہیے کہ یقیناً اِس میں خیر ہی خیر ہے، کیونکہ اس خیر کی خبر اللہ

جلّ وعلا نے خود فرمائی ہے ،

اللہ پاک نے اِرشاد فرمایا ہے ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ وَإِن تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا:::اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی طرف سے کسی ظلم وزیادتی یا بے رخی کا خوف رکھتی ہو تو ایسے میں اگر وہ دونوں آپس میں (کچھ حقوق کی کمی بیشی پر رضا مندی کر کے) صلح کر لیں اُن دونوں پر کوئی گناہ نہیں،اور صلح کرنا خیر (والا کام) ہے،اور (لوگوں کا عام طور پر یہ معاملہ ہوتا یہ ہے کہ) نفس تنگ دلی اور کنجوسی کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں ، اور اگر تُم لوگ احسان والا معاملہ کرو، اور (اللہ کی ناراضگی اور عذاب سے) بچتے رہو، تو یقین رکھو کہ تُم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اُس کی خوب خبر رکھتا ہے﴾،

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرامین میں تدبر کیا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ """لوگوں کے درمیان اصلاح""" کے بارے میں جتنی بھی آیات نازل ہوئی ہیں ، وہ آیات کریمات اِس مذکورہ بالا قاعدے کی عملی تفسیر ہیں ، مثال کے طور پر ، اِسی سُورت شریفہ ، سُورت النساءِ میں ہی ، اور میاں بیوی کے معاملات کے سدھار کے بارے میں ہی بیان فرماتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِرشاد فرمایا ہے ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا:::اگر تُم لوگوں کو میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا ڈر ہو تو ایک مُنصف مَرد شوہر کے خاندان میں سے مقرر کرو اور ایک مُنصف مَرد بیوی کے خاندان میں سے مقرر کرو، اگر میاں بیوی اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ اُن دونوں کے درمیان موافقت عطاء فرمائے گا، یقیناً اللہ بہت زیادہ علم رکھنے والا اور خبر رکھنے والا ہے﴾ آیت 35،

ابن عطیہ رحمہُ اللہ نے """المحرر الوجیز""" میں ﴿ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ::: اور صلح کرنا خیر (والا کام) ہے﴾ کی تفسیر میں لکھا """""اس آیت شریفہ میں لفظ خیر عام مطلق طور پر استعمال کیا گیا ہے، جس کا تقاضا ایسی صلح ہے جو حقیقی ہو، جس کی وجہ سے نفوس سکون پائیں اور اختلاف دُور ہو، ایسی صلح علی الاطلاق خیر ہے ، اور اسی صلح کے عمومی مفہوم میں میاں بیوی کے درمیان ہونے پا کی جانے ، یا کروائی جانے والی صلح بھی آ جاتی ہے ، کیونکہ وہ صلح علیحدگی یا نا چاقی کی نسبت یقیناً خیر والی ہے """""،

علامہ سعدی رحمہُ اللہ نے اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا """""﴿ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا:::اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی طرف سے کسی ظلم وزیادتی یا بے رخی کا خوف رکھتی ہو﴾ کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر اُس میں دلچسپی نہ لے رہا ہو، اور اُس عورت کو یہ ڈر ہو جائے کہ اُس کا شوہر اُسے چھوڑ دے گا، تو ایسی صُورت میں اگر وہ اپنے کچھ حقوق چھوڑ کر بھی شوہر سے صلح رکھ سکے اور اُس کے ساتھ رہ سکے تو وہ علیحدگی سے زیادہ بہتر ہے ، مثلاً اگر وہ اپنے نان ونفقہ ، رہائش ، لباس وغیرہ میں سے کچھ حق چھوڑ کر ، یا اپنی کسی سوتن کے حق میں اپنی باری چھوڑ کر ، یا اپنے شوہر کو اپنی باری چھوڑ کر ، یا اپنے حقوق میں سے کسی بھی اور حق سے شوہر کے حق میں دست بردار ہو جائے اور شوہر بھی اس سے اتفاق کر لے اور بیوی کو طلاق دینے سے باز رہے ، اور اسے اپنے ساتھ رکھے تو یہ صلح ، طلاق اور جدائی کی نسبت یقیناً خیر والی ہے ،

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ ::: اور صلح کرنا خیر (والا کام) ہے ﴾،

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں لفظ ''' صُلح ''' کے عمومی استعمال کی بنا پر اس کا یہ مفہوم سمجھا جاتا ہے کہ ::: جن بھی دو شخصیات کے درمیان کسی بھی کام یا چیز کے بارے میں کوئی تنازع ہو ، کسی حق کی ادائیگی کا کوئی مسئلہ ہو ، تو ان کے لیے اپنے اپنے حقوق میں سے کچھ چھوڑ کر ایک دوسرے سے صُلح کرنے میں ہی خیر ہے ::: کیونکہ اپنے اپنے حق کے حصول میں سختی کیے رکھنا نہ صرف ان کے لیے بلکہ اور بھی بہت سے لوگوں کے لیے کئی مشکلات کا سبب ہو جاتا ہے ، لہٰذا اِسی صُلح میں خیر ہے کیونکہ اِس میں افراد اور ان کے ذریعے معاشرے کی اصلاح ہے ، اور ایک دوسرے کو معاف کرنے اور اپنا حق چھوڑ دینے کے نتیجے میں ایک دوسرے کے محبت اور احترام پیدا ہوتا ہے (جو معاشرے کی دیر پا اصلاح کے بنیادی اسباب میں سے ہے)، لیکن یہ بات بہت اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیے کہ یہ صُلح ہر کام اور ہر چیز میں جائز ہے ، سوائے اس کے کہ کسی حلال کو حرام کیا جائے ، یا کسی حرام کو حلال کیا جائے ، اگر کسی حلال کو حرام اور کسی حرام کو حلال کرتے ہوئے یہ صُلح کی جائے تو پھر یہ خیر نہیں بلکہ یقینی طور پر ظلم اور جور ہے ،

اور یہ بھی جان لیجیے کہ کوئی بھی حکم اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ اُس کے مطلوبہ نتائج برامد نہ ہوں ، اور جب تک کہ اُن نتائج کے ظاہر ہونے میں پائی روکاٹیں ختم نہ ہوں ، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس عظیم حکم یعنی ''' صُلح کے حکم ''' کے مطلوبہ نتیجے اور اُس نتیجے کی تکمیل میں پائی جانے والی ممکنہ روکاٹیں بھی ذِکر فرما دی ہیں ،

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس حکم یعنی ''' صُلح کرنے ''' کا نتیجہ ''' خیر ہونا ''' بتایا ، اور خیر ایسی چیز ہے جسے ہر درست عقل والا پانا چاہتا ہے ، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اِیمان والوں کو اس کی طرف رغبت دلائی ہے ،

اور اِس حکم ''' یعنی ''' صُلح کرنے ''' کے نتیجے ''' خیر ہونے ''' میں روکاٹ بھی بیان فرما دی ہے کہ ﴿ وَأُحۡضِرَتِ ٱلۡأَنفُسُ ٱلشُّحَّ ::: اور (لوگوں کا عام طور پر یہ معاملہ ہوتا یہ ہے کہ) نفس تنگ دلی اور کنجوسی کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں ﴾ یعنی ، انسانوں کے نفوس دوسروں کو کچھ دیتے ہوئے عموماً تنگ دِلی کی طرف مائل ہوتے ہیں ، اور خاص طور پر جب اپنے ہی حقوق میں سے کچھ چھوڑنا ہو تو بہت لالچ والا رویہ اپناتے ہیں ، اپنے حقوق میں سے کچھ بھی چھوڑنا نہیں چاہتے ، لہٰذا خیر پانے کے لیے تُم لوگ اپنے نفوس کی اس نقصان دہ جبلت کو بدلنے کی کوشش کیا کرو ، اور اپنے حقوق میں سے کچھ چھوڑنے کے لیے بھی تیار ہو جایا کرو ،

جب کوئی انسان ایسا کرنے لگا تو اِن شاء اللہ اِس حکم یعنی ''' صُلح کرنے ''' کے مطلوبہ نتیجے کو پانے میں آسانی ہی آسانی میسر ہو گی ، اور جو کوئی تنگ دلی ، اور پانے نفس کی کنجوسی پر قابو نہیں پائے گا وہ ''' صُلح ''' نہیں کر پائے گا اور اِس کے مطلوبہ نتیجے ''' خیر ''' کو بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ ''''' ماخوذ من تفسیر السعدی ،

جو کوئی بھی درست عقل اور ٹھیک منہج کے مطابق قران حکیم میں غور و فکر کرے گا اِن شاء اللہ اُسے اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ اس عظیم قاعدے کہ ﴿ وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ ::: اور صُلح کرنا خیر (والا کام) ہے ﴾ کے نفاذ کے بہت سے مواقع اور بہت سے مُقامات سُجھائی دیں گے ، اور وہ یہ جانے گا کہ اِس قاعدے کا نفاذ کا مُقام صِرف میاں بیوی کے درمیان پائے جانے والا اختلاف وغیرہ ہی نہیں ، بلکہ اسے انسانی زندگی کے ہر معاملے میں نافذ کیا جا سکتا ہے ، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان واقع ہونے والے مختلف اختلافات اور تنازعات کے حل کے لیے اِصلاح کرنے کی ہی ترغیب فرمائی

ہے، اور اِصلاح یہی """صُلح""" ہے کہ اپنے اپنے حقوق میں سے کچھ چھوڑ کر اپنے لیے اور ایک دوسرے اللہ کے ہاں سے خیر حاصل کی جائے،

اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا ہے ﴿ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ::: لوگوں کی آپس میں کی گئی سرگوشیوں میں سے اکثریت میں خیر نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ جو (اپنی سرگوشی میں) صدقہ کرنے کا حکم دے، یا کسی نیک کام کا، یا لوگون کے درمیان صُلح کے لیے (سرگوشی کرے)، اور جو کوئی بھی یہ کام اللہ کی خوشی حاصل کرنے کے لیے کرے گا تو جلد ہی اللہ اُسے بہت بڑا ثواب عطاء فرمائے گا﴾ سُورت النِساء (4)/آیت 114،

اس مذکورہ بالا آیت شریفہ پر غور کیجیے تو ہماری کہی ہوئی بات کی تصدیق ہوتی ہے، اور اگر آپ سُورت الانفال کی پہلی آیت مبارکہ پر غور کیجیے تو اِن شاء اللہ مزید واضح طور پر ہماری بات کی سمجھ آ جائے گی، اللہ تبارک وتعالیٰ کا اِرشاد گرامی ہے ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ::: اے محمد، یہ لوگ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں، فرمایے کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، لہٰذا تُم لوگ اللہ (کی ناراضگی اور عذاب) سے بچو، اور اپنے درمیان صُلح کرو، اور اگر تُم لوگ (سچے) اِیمان والے ہو تو اللہ اور اُس کے رسول کے احکام پر عمل کرو﴾ سُورت الانفال (8)/پہلی آیت،

غور کیجیے، محترم قارئین، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم سے کیے جانے والے سوال کا ذِکر فرمایا، اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم کو جواب دینے کا حکم فرمایا لیکن صرف جواب ہی عنایت نہیں فرمایا، بلکہ جواب عنایت فرمانے کے ساتھ ہی ساتھ اور فوراً ہی بعد آپس میں صُلح کرنے، اِصلاح کرنے کا حکم صادر فرمایا، اور پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ فوراً ہی بعد تقویٰ اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا، اور پھر اُس کے ساتھ ہی ساتھ فوراً ہی بعد اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم کے احکام پر عمل کرنے کا حکم صادر فرمایا،

:::::: ایک اضافی بیان :::::: سُورت الانفال کی یہ پہلی آیت مبارکہ، اللہ کے تعالیٰ کے دیگر بہت سے فرامین شریفہ کی طرح اُن لوگوں کی بدعقلیوں اور غلط منہج پر بھی اللہ کی طرف سے رد کیا گیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم کے احکام میں اپنی مرضی سے فرق کرتے ہیں اور اللہ کے احکام اپنی عقلوں کے مطابق مانتے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم کو ایک طرف کر دیتے ہیں کہ یہ تو قران میں نہیں ہیں، یا اُن کی تباہ حال عقلوں کے مطابق انہیں احکام رسول صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم قران کے خلاف دکھائی دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو ہدایت دے اور اگر االلہ کی مشیئت و حِکمت میں اُن لوگوں کے لیے ہدایت نہیں ہے تو اللہ ہم سب سمیت اپنی ساری ہی مخلوق کو اُن لوگوں کے شر سے محفوظ کر دے،

جی تو، بات ہو رہی تھی سُورت الانفال کی پہلی آیت شریفہ کے بارے میں، گذشتہ بیان سے پیوستہ ہوتے ہوئے کہتا ہوں کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان جھگڑوں کے ایک عام سبب، یعنی مال کے بارے میں یہ عظیم قاعدہ ﴿ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ::: اور صُلح کرنا خیر (والا کام) ہے﴾ نافذ کرنے کا حکم فرمایا کہ مال کے سبب بھی اپنے درمیان

میں فساد نہ ہونے دو، بلکہ اگر اپنے حقوق میں کچھ چھوڑ کر بھی اپنے درمیان اصلاح رکھ سکتے ہو تو رکھو،

لوگوں کے درمیان صُلح کروانے کا کام اللہ کے ہاں اس قدر مطلوب اور محبوب ہے کہ اس کام کے لیے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ اعلان بھی کروایا دِیا کہ ﴿لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِى يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ ، فَيَنْمِى خَيْرًا ، أَوْ يَقُولُ خَيْرًا::: جو شخص لوگوں کے درمیان صُلح کروانے کے لیے جھوٹ بولے وہ (اللہ کے ہاں) جھوٹا نہیں، پس وہ خیر والی بات پہنچاتا ہے، یا خیر والی بات کہتا ہے﴾ صحیح البخاری/حدیث 2692/کتاب الصُلح /باب 2، صحیح مُسلم/حدیث 6799/کتاب البر والصلۃ والآداب/باب 27،

ہم نے پچھلے سبق میں اُن لوگوں کے بارے میں کچھ بات کی تھی جو مختلف ذرائع نشر و ابلاغ اِستعمال کرتے ہوئے، خود ساختہ اور خیالی باتیں معاشرے میں نشر کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کے درمیان اچھائی یا اصلاح پھیلا رہے ہیں ،اور اُن میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اِس حدیث شریف کو اپنے کام کی دلیل بناتے ہیں،

جو لوگ اِس حدیث شریف کو اپنے جھوٹوں کو جائز بنانے، اور جھوٹ لکھ لکھ، سنا سنا کر مال یا نام کمانے کو خیر والا کام سمجھتے ہیں وہ اپنی غلط فہمی کی بھی اصلاح کر لیں، اور اُن کی اُس غلط فہمی کو دُرست ماننے والے بھی یہ جان لیں اِس حدیث شریف میں ہر وقت، ضرورت اور بلا ضرورت کی تمیز رکھے بغیر، پورے معاشرے میں جھوٹ پھیلانے کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ صِرف اُن لوگوں کے درمیان صُلح کروانے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت رکھتی ہے جن میں کوئی لڑائی یا تنازع ہو،

اس کے علاوہ یہ بھی خیال رکھیے کہ ایسے صحافیوں، اور ادیبوں وغیرہ کے جھوٹوں میں اگر کہیں اصلاح والا ایک یا چند ایک پہلو ہوتے ہیں تو اُن کے ساتھ برائی کی ترویج کے بھی بہت سے پہلو نمایاں ہوتے ہیں، اور بہت سی ایسی باتوں کی تعلیم یا ترغیب ہوتی ہے جو اِسلامی تعلیمات کے خلاف ہوتی ہیں، لہذا ہمیں حتی الامکان یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اس حدیث شریف کو ٹھیک سے سمجھیں، اور خیر کے حصول کے لیے دی جانے والی اجازت کو شر میں اِستعمال نہ کریں،

یہاں تک کی بات میں، الحمد للہ، ہم نے سُورت الانفال کی پہلی آیت مبارکہ کے مطابق بھی """صُلح""" کرنے کی عظمت کو سمجھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے ایک صحیح ثابت شدہ فرمان مبارک کو درست فہم کے مطابق سمجھا،

اس کے بعد میں، اپنے اس سبق، اس مضمون کے موضوع، اللہ تبارک و تعالیٰ کے بیان کردہ قاعدے، قانون ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ:::اور صُلح کرنا خیر (والا کام) ہے﴾ کی طرف واپس آتا ہوں، اور پھر سے کہتا ہوں کہ، اس عظیم قاعدے کے نتیجے """خیر""" کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لیے ہمیں اس کے میدان نفاذ کو صِرف میاں بیوی کے درمیان صُلح تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ اسے اپنی زندگی کے سارے ہی معاملات میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے، یقین جانیے ایسا کرنا نا ممکن نہیں، اور نیک نفوس والوں کے لیے کوئی مشکل بھی نہیں، جی ہاں کنجوسی، تنگ دلی اور سختی والے نفوس رکھنے والوں کے لیے اس قاعدے پر عمل مشکل ہے، لیکن نا ممکن اُن کے لیے بھی نہیں، کیونکہ اگر یہ نا ممکن ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا حکم ہی نہیں فرماتے، اور نہ اس کی ترغیب فرماتے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بارے میں یہ خبر بھی عطاء فرما رکھی ہے کہ ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا::: ہم کسی جان پر اُس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتے﴾،

ہمارے لیے، سارے ہی انسانوں کے لیے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اللہ کے فرامین کی قولی اور عملی تفسیر اور شرح

کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کو مقرر فرمایا گیا،اور ان صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی ذات مُبارک کو ،اُن صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کے اقوال اور افعال کو اللہ تعالیٰ نے سب سے اعلیٰ ، اور مکمل ترین نمونہ قرار دیا، اور یہ بھی بتا دِیا کہ یہ نمونہ انہی کو قبول ہوتا ہے جو اِیمان والے ہیں ، جنہیں یہ نمونہ قبول نہیں ہوتا وہ اللہ کے ہاں اِیمان والوں میں شمار نہیں ہوتے ، خواہ کتنے ہی اسلامی حلیے اختیار کیے رہے ہوں ، یا خواہ قران ، اور سنت کے جھنڈے اٹھائے رہے ہوں ،

پس ، اِیمان والوں کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام کے عملی نفاذ کا بہترین نمونہ نبی اللہ محمد صلی اللہ عیہ و علی آلہ وسلم کی سُنّت مبارکہ ہی ہے ، آیے سُنّت مبارکہ میں ، اللہ کے بیان کردہ اِس قاعدے کو زندگی کے مختلف معاملات میں عملی طور پر نافذ کرنا دیکھتے اور سیکھتے ہیں ،

::::::: پہلا واقعہ ::::::: جب اُم المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا کافی عُمر رسیدہ ہو گئیں اور انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم انہیں اپنی زوجیت سے فارغ فرما دیں گے ، اور اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا جو کہ مضبوط اِیمان والی ، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی عطاء کردہ تعلیمات کے مطابق آخرت کی فِکر رکھنے والی خاتون تِھیں ، کی خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی زوجیت میں ہی دُنیا سے رخصت ہوں تا کہ جنت میں بھی اُن صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کا ساتھ پا سکیں ، لہذا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ اپنی باری کے دِن اور رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی محبوبہ بیوی امی جان عائشہ رضی اللہ عنہا و أرضاھا کے حق میں چھوڑتی ہیں ، بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم اُنہیں اپنی زوجیت میں برقرار رکھیں ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم نے اُم المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا کی درخواست کو شرفِ قبولیت عطاء فرمایا ، اور اپنے اور ان کے معاملے کی صُلح فرما دی ،

::::::: دوسرا واقعہ ::::::: بُریرہ رضی اللہ عنہا ، اِیمان والوں کی امی جان ، عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی تِھیں ، جنہیں امی جان عائشہ رضی اللہ عنہا نے آزاد فرما دِیا ہوا تھا ، بُریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر اپن سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے تھے ، اُن کی اپنی بیوی سے محبت اہل مدینہ کے لیے معروف معاملہ تھی ، جیسا کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ :::

""""" جب بُریرہ (رضی اللہ عنھا) کو آزاد کیا گیا تو اُس کے خاوند جس کا نام مُغیث (رضی اللہ عنہُ) تھا ، کو مدینہ کی گلیوں میں بُریرہ کے لیے روتے ہوئے دیکھا گیا ، یہاں تک کہ اُس کے آنسو اُس کی داڑھی پر بہتے ہوئے دِکھائی دیتے ، اور وہ رو رو کر بُریرہ سے کہتا تھا کہ بریرہ اُسے خاوند کے طور پر اختیار کیے رکھے """""

لیکن بُریرہ رضی اللہ عنھا مُغیث رضی اللہ عنہُ میں کوئی دِلچسپی نہیں رکھتی تھیں ، لہذا اُنہوں نے نہیں مانا ، تو اُن کے شوہر مُغیث رضی اللہ عنہُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ بُریرہ سے اُن کے حق میں سفارش کریں ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم نے ، میاں بیوی میں صُلح کے لیے ، ایک خاندان کی اِصلاح کے لیے بُریرہ رضی اللہ عنھا سے اِرشاد فرمایا کہ ﴿**يَا بَرِيرَةُ اتَّقِي اللَّهَ فَإِنَّهُ زَوْجُكِ وَأَبُو وَلَدِكِ** ::: اے بُریرہ ، اللہ (کی ناراضگی اور عذاب) سے بچو ، وہ تُمہارا شوہر ہے اور تُمہارے بیٹے کا باپ ہے﴾ ،

بُریرہ رضی اللہ عنھا نے عرض کی """"" اے اللہ کے رسول کیا یہ آپ کا حکم ہے ؟""""" ،

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ﴿لاَ إِنَّمَا أَنَا شَافِعٌ::: نہیں بلکہ میں تو سفارش کرنے والا ہوں﴾،

تو بُریرہ رضی اللہ عنھا نے معذرت والی وضاحت کرتے ہوئے عرض کی """"اے اللہ کے رسول ، مجھے اُس کی کوئی ضرورت نہیں """"،

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے بُریرہ رضی اللہ عنھا کو اُن کی مرضی کے مُطابق رہنے دِیا،

سُنن ابو داؤد/حدیث 2233/کتاب الطلاق/باب 19، سُنن ابن ماجہ/حدیث 2153/کتاب الطلاق/باب 29، صحیح بُخاری/حدیث 5283/کتاب الطلاق/باب 19،

بُریرہ رضی اللہ عنہا کے اِس واقعہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تابع فرمانی،اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی طرف سے اُن پر اپنی مرضی کے مطابق حکم نہ کرنے کی بھی دلیل ہے،

کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی خواہش یا پسند یا مرضی کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے احکام پر قُربان کر دِیا کرتے تھے، ہم جیسے نہیں تھے کہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے،اپنی سوچ و فکر کو دُرُست دِکھانے کے لیے اللہ اور اُس کے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے فرامین کی باطل تاویلات کرتے یا اِنکار ہی کر دیتے کہ ،اِس بات کو عقل نہیں مانتی، یہ بات دِل کو نہیں لگتی، وغیرہ وغیرہ،

اِس واقعہ میں اِس بات کی بھی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اپنی خواھش کے تحت،اپنی مرضی سے، کسی کو حکم نہیں فرماتے تھے، بلکہ وہی کچھ حکم فرماتے تھے کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے وحی فرمایا جاتا تھا،

احادیث شریفہ پر اعتراض کرنے والوں،اور احادیث شریفہ کا اِنکار کرنے والوں کے فلسفوں کے بطلان کے لیے یہ مذکورہ بالا واقعہ بھی ایک ثبوت ہے،

لوگوں میں صُلح کے لیے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں سے ایک اور واقعہ ذِکر کرتا ہوں،

::::::: تیسرا واقعہ ::::::: ایک دفعہ قُباء میں رہنے والے مسلمانوں کے درمیان کچھ ناچاقی ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُنہوں نے ایک دوسرے پر پتھراؤ وغیرہ بھی کیا،اِس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم تک پہنچی تو اُنہوں نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین سے اِرشاد فرمایا ﴿اذْهَبُوا بِنَا نُصْلِحُ بَيْنَهُمْ::: چلو ہمارے ساتھ کہ اُن کے درمیان صُلح کروا دیں﴾ صحیح البخاری/حدیث 2693/کتاب الصلح/باب 3،

یہ واقعہ میاں بیوی کے تعلقات میں صُلح کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ لوگوں کے درمیان ہونے والے لڑائی جھگڑے کی صورت میں اُن کے درمیان صُلح کروانے کے بارے میں ہے،جس کا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ نے اِس فرمان مبارک میں بھی دِیا ہے ﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ::: اور اگر اِیمان والوں میں سے کوئی دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن دونوں کے درمیان صلح کرواؤ،اور اگر اُن میں سے کوئی ایک دوسرے پر زیادتی کرے (اور صلح کی بات نہ مانے) تو اُس بغاوت کرنے والے گروہ سے لڑائی کرو ،یہاں تک کہ وہ (باغی) گروہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، اور اگر پلٹ آئے تو پھر اُن دونوں کے درمیان انصاف

کے ساتھ اصلاح کرواؤ ، اور انصاف کرو یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے﴾سُورت الحُجرات (49)/آیت 9،

اوریُوں ہمارا یقین مزید پختہ ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی کوئی بھی صحیح ثابت شدہ سُنّت مبارکہ قران کریم کے خلاف نہیں،

لوگوں کے درمیان صُلح کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کام کی تکمیل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے عصر کی نماز ادا کرنے میں بھی تاخیر گوارہ فرما لی،اور ان کی مسجد میں،اُن کی جگہ پر اُن کے پہلے بلا فصل خلیفہ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ُ نے نماز پڑھائی،اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اپنے معمول کے وقت سے بہت دیر کے بعد اپنی یہ نماز ادا فرمائی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم پر سچے اور مکمل اِیمان رکھنے والے اُن کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی ساری ہی تعلیمات پر عمل پیرا رہتے تھے،لہٰذا وہ بھی بوقت ضرورت نہ صِرف دوسروں کے درمیان صُلح کروانے کی کوشش کرتے رہتے،بلکہ اپنے معاملات کو بھی صُلح والی کیفیت میں رہتے ہوئے نمٹانے کی راہ پر ہی گامزن رہتے،

اس کے بارے میں ہم ایک ہی مثال پر اکتفاء کرتے ہیں کہ جب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ُ کے خلاف خوارج نے ہڑتال کی اور اپنا جلوس لے کر ایک جگہ ڈیرہ لگا لیا،تو امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ُ سے مشورہ کے بعد اُن کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے چچازاد بھائی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما خوارج اور مُسلمانوں کے درمیان صُلح،اور اِصلاح کے لیے خوارج کی لشکر گاہ میں تشریف لے گئے اور ایک طویل وقت تک اُن لوگوں سے بات چیت کرتے رہے، جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ خوارج کی خود ساختہ اور خلاف قران،قران فہمی کے چنگل سے آزاد ہو کر اللہ اور اُس کے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی بتائی ہوئی،دی ہوئی دُرست راہ پر واپس آ گئے،اور جن جن سے اُنہوں نے اپنی گمراہی کی وجہ سے بگاڑ لی تھی اُن کے ساتھ اُن کی صُلح ہو گئی،

اور خوارج کی اپنی عقلوں کے مطابق،لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف سمجھی اور اپنائی جانے والی قران فہمی کے فتنے کا زور کافی حد تک ٹوٹ گیا،جِس کی وجہ مُسلم معاشرے میں پیدا ہونے والے ایک فتنے کی کافی اِصلاح ہو گئی،اور نہ صِرف یہ اِصلاح ہوئی بلکہ قیامت تک آنے والے مُسلمانوں کے لیے خوارج کی طرح خود ساختہ قُران فہمی کے مسلک و مذھب پر چلنے والوں کی پہچان،اور اُن کی پہچان ہونے کی وجہ سے،اُن کے شر،فساد اور فتنوں سے بچنا آسان ہوا،اور اِس بچاؤ کی صُورت میں اُن لوگوں کی وجہ سے مُسلمانوں میں پھیلنے والے شر،فساد اور فتنوں کی اِصلاح کا سامان میسر ہو گیا،وللہ الحمد،

قارئین کرام غور فرمایے کہ یہ مذکورہ بالا عظیم فائدہ،اللہ جلّ ثناوہُ کے فرامین شریفہ،اور احکام مبارکہ پر اُس کے خلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی صحیح ثابت شدہ سُنّت مبارکہ کے مُطابق عمل کرنے کے فوری فوائد میں سے ہے،

پس یاد رکھیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام مُبارکہ اور فرامین شریفہ کو جب بھی،جہاں بھی اپنی عقلوں،اِدھر اُدھر کے افکار،دُنیاوی علوم،اور مادی وسائل اور ذاتی محسوسات ومشاھدات وغیرہ کے مُطابق سمجھنے کی کوشش کی گئی تو اِس کا نتیجہ

سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں نکلا اور نہ ہی کچھ اور نکل سکتا ہے،

ایسی کوششیں خاص طور پر مُسلمانوں کے لیے، اور اُن کے درمیان، اور عام طور پر سارے ہی انسانوں کے لیے اور اُن کے درمیان، فتنے، فساد اور شر کا سبب رہی ہیں، اور رہیں گی، اِن میں کہیں کوئی خیر نہ تھی، نہ ہو سکتی ہے،

پس بربادی ہے ایسے لوگوں کی جو اللہ کے بندوں کے درمیان صُلح، اور اصلاح کی بجائے، جھگڑے اور فساد پھیلاتے ہیں، اور انہیں اللہ کی مقرر کردہ راہوں سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں،

اور بھلائی اور خیر ہے اُن کے لیے جو اللہ کے بندوں کے درمیان صُلح کرواتے ہیں، اور اپنے اور دوسرے بندوں کے درمیان بھی صُلح والا رویہ برقرار رکھتے ہیں،

اور اللہ ہی ہے جو دِلوں کی اِصلاح پر قادر ہے اور وہ ہی ہے جو نیتوں کو خالص کرنے کی توفیق عطاء کرنے والا ہے، لیکن ہمیں قلبی لگاؤ کے ساتھ کوشش ضرور کرنا ہے کہ بغیر کوشش اور لگن کے کچھ ملنے والا نہیں،

کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اپنے رب کی طرف سے اُس کی کتاب قران کریم میں نازل کیے گئے اس قاعدے، قانون کو سمجھ لیں، اپنا لیں اور دُنیا اور آخرت کے جو فوائد اللہ نے اس میں رکھے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں وہ بھی عطاء فرمائے۔ والسلام علیکم۔

قران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،، پندرہواں قاعدہ 15

بِسمِ اللَّهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ

و الصَّلاۃُ والسَّلامُ عَلیٰ رَسولہِ الکریم مُحمدٍ و عَلیَ آلہِ وأصحابہِ وَأزواجِہِ وَمَن تَبِعَھُم بِاِحسانٍ إِلیٰ یَومِ الدِین ، أما بَعد :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے کا اِرشاد ہے ﴿وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ::: اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو﴾ سُورت المائدہ (5)/آیت 89،

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ مذکورہ بالا فرمان شریف ہمارے آج کے درس کا موضوع ہے، جسے ہم اِن شاء اللہ، اللہ کی طرف سے بیان فرمودہ قواعد و قوانین کے ضمن میں اپنے دروس کے سلسلے "قران میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں پندرھویں درس کے طور پر پڑھیں گے،

اللہ عزّ و جلّ نے اپنے اِس فرمان مُبارک میں ایک بہت ہی اہم قاعدہ، قانون بیان فرمایا ہے، ایسے معاملے کے متعلق کہ جس معاملے سے کوئی بھی شخص لا تعلق نہیں رہتا،

جی ہاں، اور وہ معاملہ ہے، اپنی کھائی ہوئی، اُٹھائی ہوئی قسموں کی حفاظت کرنا، یعنی اُن کو پورا کرنا،

یہ قاعدہ، یہ قانون اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ نے قسم پوری نہ کرنے کی صُورت میں اُس کا کُفارہ ادا کرنے کے حکم میں اِرشاد فرمایا ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ :::

اللہ تُم لوگوں کی بے اِرادہ قسموں کے سبب تُم لوگوں پر پکڑ نہیں کرے گا، لیکن جو قسمیں تُم لوگ جان بوجھ کر سوچ سمجھ کر اُٹھاتے ہو (اور اُن کے خلاف کرتے ہو تو)اُن قسموں (کو پورا نہ کرنے) کی وجہ سے تُم لوگوں پر گرفت کرے گا، (اور جو قسم تم لوگ پوری نہ کرو) اُس کاکُفارہ دس غریبوں کو درمیانے معیار کا ایسا کھانا کِھلانا ہے جو تُم لوگ اپنے گھر والوں کو کِھلاتے ہو، یا دس غریبوں کو لباس دینا ہے، یا ایک غُلام آزاد کرنا ہے ،اور جس کو (اِن میں سے کوئی بھی کام کرنا) مُیسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے، یہ تُم لوگوں کی قسموں کاکُفارہ ہے (اُس صُورت میں) جب تُم لوگ قسم اُٹھالو (اور اسے پورا نہ کرو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تُم لوگوں کے لیے اُس کی آیات کو کھول کھول کر واضح کرتا ہے تا کہ تُم لوگ شُکر ادا کرو﴾،

اِس آیت شریفہ کے مُطابق اِس میں بیان فرمودہ قاعدہ، قانون﴿وَاحفَظُوا أَيْمَانَكُم:::اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو﴾ جس کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں، اِس قاعدے اِس قانون میں ہمیں تین معاملات میں اپنی اُٹھائی ہوئی، کھائی ہوئی قسموں کی حفاظت کرنے کا حکم دِیا گیا ہے، اور وہ تین معاملات درج ذیل ہیں :::

:::::: (1) :::::: جھوٹی قسم اُٹھانا،

:::::: (2) ::::::زیادہ قسمیں اُٹھانا،

:::::: (3) ::::::اپنی قسم سے پِھر جانا، اُس کے خلاف کام کرنا، سوائے اِس کے کہ ایسا کرنے میں شرعی طور پر کوئی خیر ہو،

اِن تینوں مذکورہ بالا معاملات کا بیان کچھ یُوں ہے :::

:::::: (1) :::::: جھوٹی قسم اُٹھانا،

جھوٹی قسم اُٹھانا،گناہِ کبیرہ ہے، ایسی قسم جو کہ اِنسان جانتے بوجھتے ہوئے اُٹھاتا ہے، کوئی دُنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لیے یا کسی نُقصان سے بچنے کی کوشش میں، بہر حال جھوٹی قسم اُٹھانا بہت ہی بڑے گناہوں میں سے ایک ہے،

::::::: عبداللہ بن عَمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ """ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر ہوا اور عرض کیا،

"""اے اللہ کے رسول، بڑے گناہ کون سے ہیں؟"""،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے کہ ﴿الإِشْرَاكُ بِاللَّهِ:::اللہ کے ساتھ شرک کرنا﴾،

اُس نے پھر عرض کیا """اور پھر کون سے؟"""،

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے کہ ﴿ثُمَّ عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ:::اور، پھر، والدین کی نافرمانی اور حق تلفی﴾،اُس نے پھر عرض کیا"""اور کون سے؟"""

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے کہ ﴿الْيَمِينُ الْغَمُوسُ:::(جہنم میں) ڈبو دینے والی قسم﴾،

تو میں نے عرض کیا"""ڈبو دینے والی قسم کون سی ہے؟"""

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے کہ ﴿الَّذِي يَقْتَطِعُ مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَ فِيهَا كَاذِبٌ::: جِس کے ذریعے قسم اُٹھانے والا کسی مُسلمان کا مال (بغیر حق کے) حاصل کرتا ہے﴾""" صحیح بخاری/حدیث

6920/کتاب استتابۃ المرتدین/پہلا باب،
اِسی حدیث کو اِمام بخاری رحمہُ اللہ نے کتاب الأیمان والنُذُور/باب 16 میں بھی روایت کیا ہے اور اُس باب کا عنوان رکھا ہے باب اَلْيَمِينِ الْغَمُوسِ، اور ساتھ ہی عنوان میں ہی یہ آیت شریفہ بھی لکھی ہے ﴿وَلاَ تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلاً بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ اور آیت شریفہ میں مذکورہ """دَخَلاً""" کی تفسیر بھی ذِکر کی ہے کہ """دَخَلاً مَكْرًا وَخِيَانَةً::: دخلاً یعنی، دھوکہ دہی اور خیانت"""،
اِسی لیے کہا جاتا ہے اور حق کہا جاتا ہے کہ محدثین کرام کی فقہ کی گہرائی اور دُرستگی کی دلیل اُن کے مرتب کردہ ابواب کو دیے ہوئے عناوین ہیں، جو لوگ محدثین کرام رحمہم اللہ کو فقہ سے عاری سمجھتے اور کہتے ہیں وہ بذات خود کسی فقہ کے حامل نہیں ہوتے،
کتنی حیرانگی، بلکہ دُکھ بھری حیرانگی والا معاملہ ہے کہ جھوٹی قسم اُٹھانے اور جھوٹی قسم کے ذریعے دُنیا کا کوئی فائدہ پانے کے خوفناک انجام کے بارے میں قُران کریم اور حدیث شریف میں اس قدر واضح بیان ہونے کے باوجود کئی لوگ یہ کام کرتے ہیں اور کرتے ہی رہتے ہیں، پتہ نہیں کیوں اور کیسے اُن لوگوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ جھوٹی قسم اُٹھا کر وہ دُنیا کے فوائد میں سے جو کچھ بھی حاصل کریں گے، اِس جھوٹی قسم کی وجہ سے آخرت میں ملنے والا عذاب اُن فوائد سے کہیں زیادہ بڑا اور طویل ہو گا،
کیا اُن لوگوں کو اپنے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا یہ فرمان یاد نہیں؟؟؟ جسے سُن کر دِل کانپ اُٹھتا ہے، یا وہ جانتے نہیں؟؟؟ یا جان بوجھ کر نظر انداز کیے ہوئے ہیں؟؟؟ کہ ﴿مَنْ حَلَفَ يَمِينَ صَبْرٍ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ ، لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ::: جِس نے کسی مُسلمان کا مال حاصل کرنے کے لیے جھوٹی قسم اُٹھائی تو (قیامت والے دِن) وہ اللہ کو اِس حال میں ملے گا کہ اللہ اُس پر غصے میں ہو گا﴾ صحیح بخاری/حدیث 6676/کتاب الأیمان والنُذُور/باب 17، صحیح مُسلم/حدیث 372/کتاب الاِیمان/باب 63،
عُلماء کرام رحمہُم اللہ نے """يَمِينَ صَبْرٍ""" کی شرح میں لکھا کہ """ويَمينُ الصَّبرِ هي التي يَلزمُ بها صاحبها ويَحبِس عليه::: ایسی قسم جس کے ذریعے قسم اُٹھانے والا اپنے آپ کو (ناجائز طور پر) کسی چیز کا حق دار بنائے، اور اُسی پر ڈٹا رہے"""،
افسوس صد افسوس کہ آج ہم مُسلمانوں میں بہت سے ایسے ہیں جو دُوسروں کی چیزوں کو اپنا حق منوانے کے لیے یہی کچھ کرتے ہیں،

:::::: (2) ::::::: زیادہ قسمیں اُٹھانا،

اللہ جلّ وعُلا نے اِس قاعدے، اِس قانون میں اپنے اِیمان والے بندوں کو اُن کی قسموں کی حفاظت کے بارے میں جس دُوسرے معاملے کا حکم دِیا ہے وہ معاملہ بلا ضرورت، بلا وجہ قسمیں اُٹھانا ہے،
اللہ عزّ و جلّ نے ایک اور مُقام پر زیادہ قسمیں اُٹھانے کو مذموم قرار دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے ﴿وَلاَ تُطِعْ كُلَّ حَلاَّفٍ مَّهِينٍ ::: اور ہر قسمیں اُٹھانے والے گھٹیا، بے وقعت شخص کی بات مت مانو﴾ سُورت القلم (68)/آیت 10،

اس مذکورہ بالاآیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ قسمیں اُٹھانے والے کو گھٹیا قرار دِیا،
عرب معاشرے میں قدیم سے ایسے لوگوں کو عزت والا سمجھا جاتا ہے جو کم قسمیں اٹھانے والے ہوں،

:::::::زیادہ قسمیں اُٹھانے سے بچے رہنے کی حِکمتیں:::::::

:::::::(1):::::::جو کوئی بھی بات بے بات قسمیں اُٹھاتا ہے تو یقینی سے بات ہے کہ اُس کے دِل میں اپنی قسم کی کوئی قدر نہیں رہتی، پس اُس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ اُسے اپنی بات کی قدر بڑھانے کے لیے کسی بھی معاملے میں، اور کسی بھی طرح کی جھوٹی قسم اُٹھانے میں کوئی جھجک نہیں رہتی،

اور ایک نُقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسا اِنسان خود اپنے ہی بارے میں غیر یقینی کا شِکار ہو جاتا ہے،

اور دُوسرا نُقصان یہ ہوتا کہ لوگ بھی اُس کے بارے میں یہ سمجھ جاتے ہیں کہ اِس کی قسمیں بھی مانی جانے کے قابل نہیں ہیں، اور وہ شخص اپنی معاشرتی زندگی میں گھٹیا اور بے وقعت ہو جاتا ہے، جیسا کہ اوپر ذِکر کی گئی سُورت القلم کی آیت شریفہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے،

ہمارے موجودہ مُسلم مُعاشرے میں قسمیں اُٹھانے کے بارے میں ایک یہ حرام فعل بھی شامل ہو چکا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ اُس کی مخلوق اور دیگر اشیاء کی قسمیں بھی اُٹھائی جاتی ہیں، جبکہ اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی اور کی قسم اُٹھانا جائز ہی نہیں،

اِس موضوع کو الحمد للہ میری کتاب """وہ ہم میں سے نہیں/چھٹا کام/اللہ تبارک وتعالیٰ کے عِلاوہ کِسی اور کی قَسم اُٹھانا، قَسم کھانا""" میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، یہ کتاب درج ذیل ربط پر مطالعہ کے لیے میسر ہے:::

http://bit.ly/1JgaCOH

اِس کے ساتھ ساتھ درج ذیل مضمون کا مطالعہ بھی اِن شاء اللہ مُفید رہے گا """زیادہ قسمیں اُٹھانے کا شرعی حکم، اور قسموں کی اقسام"""، یہ مضمون درج ذیل ربط پر میسر ہے:::

http://bit.ly/1dUSss8

پس زیادہ قسمیں اُٹھانے سے باز رہنے میں ایک حِکمت یہ بھی ہے کہ اِنسان کو اپنی قسم کی قدر رہتی ہے اور وہ جھوٹی قسمیں اُٹھانے سے باز رہتا ہے،

:::::::(2):::::::مُسلمان کے دِل میں اپنے اللہ کی جتنی زیادہ قدر و منزلت ہو گی، اُتنا ہی زیادہ اُس بندے کی بندگی مکمل ہوتی جائے گی، اور بندے کے دِل میں اللہ جلّ ثناوہُ کی قدر و منزلت کی تکمیل میں سے ایک منزل یہ بھی ہے کہ بندہ کبھی بھی اپنے اللہ کی جھوٹی قسم نہ اُٹھائے، بالخصوص دُنیاوی مقاصد کے حصول کے لیے،

:::::::قارئین کرام، ہمارے محبوب رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اپنی زندگی کے تئیس سال اللہ کے دِین کی دعوت دینے میں صَرف فرمائے، اور ان تئیس سالوں میں اُن صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے بارے میں سوائے چند ایک مواقع کے کہیں بھی قسم اُٹھانے کا ذِکر نہیں ملتا،

تو ایسے لوگوں کے بارے میں کیا کہیے جو بات بے بات قسم اُٹھاتے ہیں، اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے دعویٰ دار بھی ہیں، اور تو اور اُسی رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ کے عِلاوہ دُوسروں کی قسمیں اُٹھاتے ہیں، اِنّا لِلّٰہِ و اِنّا اِلیہِ رَاجِعُونَ،

:::::(3):::::اپنی قسم سے پِھر جانا،اُس کے خلاف کام کرنا، سوائے اِس کے کہ ایسا کرنے میں شرعی طور پر کوئی خیر ہو:::

مُسلمان پر یہ واجب ہے کہ خیر والے کِسی کام کے بارے میں اپنی اُٹھائی ہوئی قسم پوری کرے، کیونکہ ایسا کرنے میں ہی اُس کی تعظیم اور توقیر ظاہر ہوتی ہے جِس کی قسم اُٹھائی گئی ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عِلاوہ کسی بھی اور قسم اُٹھانا تو جائز ہی نہیں،

پس اگر کوئی شخص، خیر کے کسی کام کے بارے میں،اللہ عزّ و جلّ کی قسم اُٹھا کر اُس قسم کو پوری نہیں کرتا تو یہ اُس شخص کے ہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعظیم میں کمی کی دلیل ہوتا ہے،

جی، اگر اُس اُٹھائی ہوئی قسم کو پورا نہ کرنے میں اُس سے زیادہ خیر ہوتی ہو، تو پھر اُس شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی قسم پوری کرنے کی بجائے زیادہ خیر والا کام کرے،

:::مثال کے طور پر:::اگر کوئی یہ قسم اُٹھائے کہ وہ فلاں قِسم کا کھانا نہیں کھائے گا، یا فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہو گا، اور قسم اُٹھانے کے بعد اُس پر یہ واضح ہو جائے کہ اُس کے لیے یا اُس کے کسی مُسلمان بھائی یا بہن کے لیے زیادہ خیر اِس قسم کو پورا نہ کرنے میں ہے تو پھر وہ اپنی یہ قسم پوری نہ کرے، بلکہ اِس قسم کے خلاف وہ کام کرے جِس میں زیادہ خیر ہے،

::::::اپنی اُٹھائی ہوئی قسم کے خِلاف، لیکن زیادہ خیر والا کام کرنے کے جائز ہونے کے دلائل::::::

::::::(1)::::::ابوہُریرہ رضی اللہ عنہ ُ سے روایت ہے کہ """ایک شخص کو نبی صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و سلم کے پاس عِشاء ہو گئی، جب وہ اپنے گھر پہنچا تو دیکھا کہ اُس کے بچے سو چُکے ہیں، اُس کی بیوی اُس کے لیے کھانا لے کر آئی تو اُس نے بچوں کی وجہ سے قسم اُٹھائی کہ وہ (بچوں کے بغیر اکیلے) کھانا نہیں کھائے گا، پھر اُسے محسوس ہوا کہ ایسا کرنا مُناسب نہیں، پس اُس نے کھانا کھا لیا، اور پھر (جب وہ دوبارہ آیا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و سلم کی خدمت میں اپنے اِس کام کے بارے میں خبر پیش کی،

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و سلم نے اِرشاد فرمایا ﴿مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيَأْتِ الَّذِى هُوَ خَيْرٌ وَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ:::جِس کِسی نے قسم اُٹھائی اور پھر دُوسرے کام کو اُس سے زیادہ خیر والا پایا تو وہ زیادہ خیر والا کام کرے اور اپنی قسم کا کُفارہ ادا کرے﴾""" صحیح مُسلم/حدیث 4362/کتاب الأیمان/باب 3،

::::::(2)::::::ابو موسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ ُ سے روایت ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و سلم نے اِرشاد فرمایا﴿إِنِّى وَاللَّهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لاَ أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلاَّ أَتَيْتُ الَّذِى هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا:::اِن شاءِ اللہ (اور) اللہ کی قسم میں (کسی کام کے بارے میں) قسم اُٹھاتا ہوں اور کسی دُوسرے کام کو اُس سے زیادہ خیر والا پاتا ہوں تو اپنی قسم کو کھول دیتا ہوں،اورجو زیادہ خیر والا کام ہوتا ہے وہ کرتا ہوں﴾ صحیح بُخاری/حدیث 5518/کتاب الذبائح/باب 26، صحیح مُسلم/حدیث 4354/کتاب الأیمان/باب 3،

اور ایک روایت میں یہ بھی بیان فرمایا دِیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و سلم ایسا کرنے کی صُورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے قسم پوری نہ کرنے کا کُفارہ بھی ادا فرمایا کرتے تھے، دیکھیے، صحیح بُخاری/حدیث 6718/کتاب کُفارات الأیمان/باب 9،

اِس معنی اور مفہوم کی اور بہت سے صحیح احادیث شریفہ میسر ہیں، ہم نے بات کو مختصر رکھنے کے لیے صِرف دو کے ذِکر پر اکتفاء کیا ہے، اِن شاء اللہ سمجھنے والوں کے لیے یہ ہی کافی ہوں گی،

:::::::حاصل کلام:::::::

محترم قارئین، اللہ عزّ و جلّ نے اِس قاعدے، اِس قانون میں ہمیں یہ سمجھایا ہے کہ ہم اپنی اُٹھائی ہوئی قسموں کی مذکورہ بالا تین معاملات میں خصوصی حفاظت کریں،

ہمیں ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے عِلاوہ کسی بھی اور کی قَسم اُٹھانا جائز نہیں، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی قَسم اُٹھانا بھی عِبادات میں سے ہے، لہذا ہمیں اِس عِبادت کی حُدود اور اِس سے متعلقہ احکام اچھی طرح سے سیکھ کر اُن کے مُطابق عمل کرنا چاہیے،

چلتے چلتے قَسم کے کفارے کے بارے میں کچھ معلومات ذِکر کرتا چلوں، درس کے آغاز میں ذِکر کی گئی سُورت المائدہ(5)/آیت 89، میں اللہ عزّ و جلّ نے قَسم کا کفارہ ادا کرنے کے لیے تین مختلف طریقے بتائے ہیں، اور کفارہ ادا کرنے والے کو اُس کے حالات کے مُطابق کسی ایک طریقے کو اپنانے کا اختیار عطاء فرمایا ہے،

وہ تین طریقے درج ذیل ہیں:::

:::::::(1):::::::دس غریبوں کو درمیانے معیار کا ایسا کھانا کِھلانا ہے جو اپنے گھر والوں کو کِھلایا جاتا ہو،

یاد رہے کہ کھانا کِھلانے کا ہی حکم ہے اور اِسی کے مُطابق عمل کیا گیا، پس عُلماء کرام کا کہنا ہے کہ کھانے کے بدلے پیسے دینا جائز نہیں، جیسا کہ فِطرانہ کے بدلے پیسے دینا جائز نہیں،

:::::::(2):::::::یا دس غریبوں کو لباس دینا ہے،

لباس مَرد یا عورت کسی کو بھی دِیا جا سکتا ہے، لباس دینے کی صُورت میں اِس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ لباس اِسلامی لباس کی شرائط پوری کرتا ہو، جن میں سے سب سے پہلی اور بنیادی شرط لباس کا ستر پوشی والا ہونا ہے،

:::::::(3):::::::یا ایک غُلام آزاد کرنا ہے،

اور اگر کوئی اِن تینوں کاموں میں سے کوئی بھی کام کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو پھر، اس کے لیے ایک چوتھا طریقہ بھی عطاء فرمادِیا،

:::::::(4):::::::تین روزے رکھے جائیں،

اور یہ تین روزے اکٹھے لگاتار، اوپر تلے رکھے جائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اُس کا دِین اُسی کی مُراد کے مُطابق سمجھنے، اپنانے اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، والسلام علیکم۔

۞۞قران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،، سولھواں قاعدہ 16 ۞۞

بِسۡمِ اللَّهِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ

و الصَّلاۃُ و السَّلامُ عَلیٰ رَسولہِ الکریم مُحمدٍ و عَلیَ آلہِ وَأصحابہِ وَأزواجِہِ وَمَن تَبِعَھُم بِاِحسانٍ إِلیٰ یَومِ الدِین ، أما بَعد :::

اِن شاءِ اللہ آج ہم قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے بیان کردہ قواعد و قوانین میں سے ایک ایسے قاعدے کا مطالعہ کریں گے ،اُسے سمجھیں گے ، جِس میں اللہ تعالیٰ نے اِنسان کواُس کے تمام تر اقوال اور افعال میں ،اُس کے تمام تر معاملات میں اُسے عِزت اور وقار والے مُقام پر فائز ہونے کا ،اور دُوسروں کے کِردار اور مزاج کو پہنچانے کا سبق عطاء فرمایا ہے ،

اللہ عزّ و جلّ نے ،اپنے خلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کو یہ قاعدہ بیان کرنے کا حکم عطاء فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے ﴿قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ ::: آپ کہہ دیجیے ، خبیث اور پاکیزہ ایک ہی جیسے نہیں ہوتے ﴾ سُورت المائدہ (5)/آیت 100،

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ مذکورہ بالا فرمان شریف ہمارے آج کے درس کا موضوع ہے ، جسے ہم اِن شاء اللہ ،اللہ کی طرف سے بیان فرمودہ قواعد و قوانین کے ضمن میں اپنے دروس کے سلسلے "قرآن میں بیان کردہ قواعد (اصول ، قوانین)" میں سولہویں درس کے طور پر پڑھیں گے ،

اللہ عزّ و جلّ نے اپنے اِس فرمان مُبارک میں ایک بہت ہی اہم قاعدہ ، قانون بیان فرمایا ہے ، جی ہاں ، اور وہ یہ ہے کہ خبیث یعنی گندی ، پلید چیزیں اور پاکیزہ چیزیں ، کام ، باتیں ایک جیسے نہیں ہوتے ،

اِس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم خبیث اور پاکیزہ کی تعریف جانیں ،

::: خبیث ::: ہر وہ کام ، بات ، چیز ، جسے عام طور پر اُس کی کسی گندی اور مکروہ صِفت کی وجہ سے نا پسند کیا جاتا ہو ، مثلاً بات میں جھوٹ ، کاموں میں دھوکہ دہی ، لین دِین میں خیانت ، وغیرہ ، خواہ وہ صِفت کسی بھی طرح سے محسوس ہونے والی ہو ، حِسی طور پر ، مادی طور پر ، یا کِسی بھی انداز میں ،

یاد رکھیے کہ ہر ایک خبیث یعنی ، گندی ، پلید اور کراہت آمیز چیز کو اللہ تعالیٰ نا پسند کرتا ہے ،اور ایسی تمام چیزوں کو اللہ پاک جہنم میں ڈالے گا ﴿لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ::: تا کہ اللہ خبیث کو پاکیزہ سے الگ کرے اور ہر خبیث کو ایک دُوسرے کے ساتھ جمع کر دے ، پھر گندگی کے اُس ڈھیر کو جہنم میں ڈال دے ﴾ سُورت الانفال (8)/آیت 37،

::: طیّب ::: "خبیث" کا معنیٰ اور مفہوم واضح ہونے کے ساتھ ہی یہ سمجھ آ جاتا ہے کہ جو کچھ اِس کے بر عکس ہے ،اِس کی ضِد ہے وہ "طیّب" یعنی پاکیزہ ہے ، اور اِس میں بھی "خبیث" کی طرح قول ، فعل ، عقائد ، اور تمام تر مادی اور حِسی چیزیں شامل ہیں ، لیکن اللہ کو محبوب ہیں ،

جبکہ "خبیث" اللہ کو نا پسند ہیں ، پس ، ہر وہ چیز جو اللہ کو پسند ہے وہ "طیّب" ہے ، پس یقینی ہوا کہ "طیّب" اور "خبیث" ایک جیسے نہیں ہیں ،

اِیمان اور کفر ایک جیسے نہیں ہیں ، توحید اور شرک ایک جیسے نہیں ، سُنّت اور بِدعت ایک جیسی نہیں ، اللہ کی تابع فرمانی اور

نافرمانی ایک جیسی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی اطاعت اور نافرمانی ایک جیسی نہیں، نیکوکار اور بدکار ایک جیسے نہیں، حلال مال اور حرام مال ایک جیسے نہیں، سچ اور جھوٹ ایک جیسے نہیں، حیاء اور بے حیائی ایک جیسے نہیں، امانت اور خیانت ایک جیسے نہیں، اور،،،،، اور،،،،، اور،،،،،

اللہ عزّ وجلّ نے یہ قاعدہ اپنے اِس فرمان مُبارک میں ذِکر فرمایا ہے کہ ﴿قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ:::آپ کہہ دیجیے، خبیث اور پاکیزہ ایک ہی جیسے نہیں ہوتے ، خواہ خبیث کی کثرت آپ کو بھلی لگنے والی ہی محسوس ہو پس اے عقل والو، اللہ (کی ناراضگی اور عذاب) سے بچو، تاکہ تم لوگ کامیابی پا سکو﴾سُورت المائدہ(5)/آیت 100،

گو کہ یہ فرمان کھانے پینے والی چیزوں اور شِکار کے جانوروں میں سے حلال اور حرام کے ذِکر میں نازل ہوا، لیکن اللہ پاک کے کلام کے اسلوب کے مُطابق اِس فرمان کا اطلاق بھی عام ہے،

خبیث اور طیّب کے فرق کا احساس تو اِنسان کی فِطرت میں رکھا گیا ہے، پس اِس فرمان مُبارک میں یہ قاعدہ، یہ قانون سمجھایا گیا ہے کہ، خبیث اور طیّب کی پہچان برقرار رکھی جائے، دونوں کو ملا نہ دِیا جائے، بلکہ دونوں میں تمیز رَوا رکھی جائے، اور اپنے قول، فعل عقائد اور ہر قِسم کے اعمال میں خبیث سے دُور رہا جائے اور طیّب کو ہی اپنایا جائے،

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، بلکہ اِنسانوں کی اکثریت ایسی ہے جِن کے نفوس قول، فعل، عقائد اور دیگر معاملات میں دُنیاوی فوائد اور مزے حاصل کرنے کے لیے خبیث اور طیّب کی فِکر اور پرواہ نہیں کرتے، کیونکہ خبیث چیزوں میں سے اکثریت اِنسانوں کے لیے جاذبیت والی اور حِسی یا معنوی طور پر خوش کرنے والی ہوتی ہے، جیسا کہ مال کی کثرت خواہ حرام ہی ہو، نشہ آور چیزوں کا اِستعمال، زِنا اور دیگر ایسے کام جِن میں جسمانی لذت ملتی ہو،

ایسی تمام خبیث چیزیں اِنسانوں کو گمراہ کرتی ہیں، اپنے رب کے کفر پر لگاتی ہیں، جِس کے سبب اِنسان اپنے اللہ کی رحمت اور بخشش سے دُور ہو جاتا ہے، اور اُس کی ناراضگی کا حق دار بن جاتا ہے، اور اکثریت کی اِن لذات میں غرق ہونے کی وجہ سے اِنسانی معاشرے میں خبیث کی کثرت دِکھائی دیتی ہے، جو عموماً دُوسروں کو بھی اُس کی طرف مائل کرنے کا سبب بنتی ہے، اِیمان والوں کو یہی معاملہ سمجھاتے ہوئے اللہ پاک نے اپنے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے یہ اِرشاد فرمایا ہے کہ ﴿وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ:::خواہ خبیث کی کثرت آپ کو بھلی لگنے والی ہی محسوس ہو﴾،

اور خبیث کا انجام بھی بتا دِیا، جِس کا ابھی ذِکر کیا گیا کہ ﴿لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ:::تاکہ اللہ خبیث کو پاکیزہ سے الگ کرے اور ہر خبیث کو ایک دُوسرے کے ساتھ جمع کر دے، پھر گندگی کے اُس ڈھیر کو جہنم میں ڈال دے﴾،

اللہ تعالیٰ نے بتا دِیا کہ وہ تمام تر خبیث کو جہنم میں ڈال دے گا، اور جو کچھ خبیث کے عِلاوہ ہے وہ صالح یعنی پاکیزہ اور نیک ہے، اور وہی کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش، اور اُس کے پاس سے اجر و ثواب پانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں باقی رہنے والا ﴿ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ::: اور آپ کے رب کے ہاں باقی رہنے والی نیکیاں ہی ثواب، اور (آخرت کی بھلائی پانے کی اُمید کے لیے بہتر ہیں﴾سُورت الکھف(18)/آیت 46،

سو، یہ بات یقینی ہوئی کہ خواہ خبیث کی کتنی ہی کثرت ہو، اور طیّب کی قلت، دونوں ایک جیسے نہیں، دونوں کا انجام ایک جیسا نہیں، خبیث کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے، اور طیّب کا جنّت،

یہاں ہمیں ایک دیگر کئی آیات شریفہ میں مذکور اِس قاعدے کی گواہی بھی ملی کہ "اکثریت کِسی چیز، کِسی معاملے، کِسی عقیدے، کِسی قول یا فعل کی دُرستگی کی دلیل ہر گز نہیں"،

لہٰذا، اِنسانی معاشرے میں خبیث چیزیں خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائیں، کتنی ہی چمکتی دمکتی نہ بن جائیں، وہ جہنم میں ہی جائیں گی اور اُنہیں اِستعمال کرنے والے، کروانے والے بھی سب اُن کے ساتھ ہوں گے، سوائے اِس کے، کہ، کوئی مرنے سے پہلے سچی توبہ کر لے، اور اپنی پھیلائی کوئی خباثت کا اِزالہ کر لے،

میرے مُسلمان بھائیو، اور بہنوں،

اگر آپ اپنے اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ کے کلام پاک قران کریم میں میں تدبر فرمایے تو اِن شاء اللہ آپ بڑی آسانی سے جان پائیں گے کہ اللہ عزّ و جلّ نے اِس قاعدے پر عمل کرنے کی کتنی تاکید فرمائی ہے،

::: (1) ::: اللہ تعالیٰ نے اپنے سب ہی بندوں میں کِسی کو مستثنیٰ کیے بغیر اُن کے کھانے پینے کے بارے میں اِس قاعدے پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ::: اے لوگو، زمین میں جو کچھ حلال اور طیّب ہے اُس میں سے کھاؤ، اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو، بے شک وہ تم لوگوں کا کُھلا دُشمن ہے﴾ سُورت البقرۃ (2)/آیت 168،

حتیٰ کہ، اللہ کے رسول جو کہ اللہ پاک کی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور افضل ہیں اُنہیں بھی الگ سے مخاطب فرما کر اِرشاد فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ::: اے رسولو، طیّب چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو، بے شک جو کچھ بھی تم کرتے ہو میں اُس کا خُوب عِلم رکھتا ہوں ﴾ سُورت المؤمنون (23)/آیت 51،

محترم قارئین، اللہ عزّ و جلّ کے یہ فرامین واضح فرماتے ہیں کہ حلال اور طیّب رزق حاصل کرنا کِس قدر اَہم اور ضروری ہے، دیکھیے کہ اِیمان والے ہمیشہ ہی رزقِ حلال کمانے کے لیے طرح طرح کی مشکلات اور مشقتوں میں مبتلا رہتے ہیں، لیکن اپنے اللہ کے حکم کی تعمیل کے لیے، اُس کی رضا پانے کے لیے رزقِ حلال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہی رہتے ہیں، اِسی لیے امام سفیان الثوری نے کہا تھا کہ """ إنَّ طلب الحلال هو عمل الأبطال::: یقیناً حلال کمانا (ہیروز) عظیم لوگوں کا کام ہے """،

اور اِیمان والوں کو یہ فِکر رہتی ہے کہ اگر اُن کے رزق میں حرام ہو گا تو اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال میں سے کچھ بھی قُبول نہیں فرمائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم کی زُبان مُبارک سے اپنے اِس مذکورہ بالا فرمان کی تفسیر بیان کرواتے ہوئے خبر کروائی کہ ﴿أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ ::: اے لوگو، بے شک اللہ پاک ہے اور پاکیزہ چیز کے عِلاوہ کچھ اور قُبول نہیں فرماتا، اور بے شک اللہ نے اِیمان والوں کو بھی اُسی کام کا حکم دِیا ہے جِس کام کا حکم رسولوں کو دِیا ہے﴾،

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم نے یہی سُورت المؤمنون کی مذکورہ بالا آیت شریفہ تلاوت فرمائی، صحیح مُسلم

/حدیث 2393/کتاب الزکاۃ/باب 20،
یاد رکھیے کہ ہمارے جِسم ہماری کمائی کے ذریعے ہی بنتے ہیں، اور جیسی کمائی ہو گی ویسا جِسم بنے گا اور اُسی کے مُطابق اُس کا انجام ہو گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وسلم نے خبر عطاء فرمائی ہے کہ ﴿ إِنَّهُ لاَ يَرْبُو لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ إِلاَّ كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ ::: بے شک ہر ایسا گوشت (جسم) جو حرام سے پلا بڑھا ہو وہ سب سے زیادہ (جہنم کی) آگ ہی کا حق دار ہے ﴾ سُنن الترمذی/حدیث 617/کتاب الصلاۃ/آخری سے پہلا باب، اِمام البانی رحمہُ اللہ نے صحیح قرار دِیا،
ایک اور روایت کے اِلفاظ ہیں کہ ﴿ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ ::: بے شک جو گوشت (جسم) حرام سے پلا بڑھا ہو وہ جنّت میں داخل نہ ہو گا ﴾ صحیح ابن حبان /حدیث 1723/کتاب الصلاۃ/ باب فضل الصلوات الخمس، اِمام البانی رحمہُ اللہ نے صحیح قرار دِیا،
اور یہ بھی کہ ﴿ كُلّ جَسَدٍ نَبَتَ مِن سُحتٍ فالنّارُ أولَى بِهِ ::: ہر وہ جِسم جو حرام سے پلا بڑھا ہو وہ سب سے زیادہ (جہنم کی) آگ ہی کا حق دار ہے ﴾ صحیح الجامع الصغیر و زیادتہ/حدیث 4519،
پس، یاد رکھیے کہ کمائی میں بھی خبیث اور طیب ایک جیسے نہیں، طیّب کو ہی اللہ کے ہاں قُبولیت ملے گی اور اُس کا ٹھکانہ جنّت ہے اور خبیّث اللہ کے ہاں مردُود ہے اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے،
:::(2)::: اِس عظیم قرانی قاعدے، قانون ﴿ قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ ::: آپ کہہ دیجیے، خبیث اور پاکیزہ ایک ہی جیسے نہیں ہوتے ﴾ میں سے ہمیں یہ ہدایت بھی ملتی ہے کہ کِسی بھی چیز کی کثرت کو اُس چیز کے اچھے، دُرست اور طیّب ہونے کی دلیل ماننا قطعاً دُرست نہیں، یاد رکھیے کہ یہ قاعدہ ہماری زندگی سے متعلق تمام تر امور پر لاگو ہوتا ہے، پس ہمیں سمجھ لینا چاہیے اور اِس کے مُطابق عمل کرنا چاہیے کہ کِسی بھی چیز کی کثرت اُس کی اچھائی اور دُرستگی کی دلیل نہیں ہوتا،
مزید سمجھنے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اِس فرمان میں تدبر فرمایے کہ ﴿ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ::: اور (اے رسول) اگر آپ زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی پیروی کریں گے تو وہ لوگ آپ کو اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے ﴾ سُورت الانعام (6)/آیت 116،
غور فرمایے، قارئین کرام، اللہ تبارک و تعالیٰ بتا رہا ہے کہ اکثریت تو گمراہ لوگوں کی ہوتی ہے اور وہ اُن کی پیروی کرنے والوں کو بھی گمراہ کرنے والی ہوتی ہے،
اللہ عزّ و جلّ کے اِس قول مُبارک میں بھی تدبر فرمایے ﴿ وَ أَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ::: اور بے شک یہی (دِین اِسلام) میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم لوگ اِسی راستے پر چلو، اور تم لوگ (اللہ کے راستے کی بجائے دُوسرے) مُختلف راستوں کی پیروی نہ کرو (کیونکہ) یہ راستے تم لوگوں کو اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے ﴾ سُورت الانعام (6)/آیت 153،
پس یہ بالکل واضح ہے کہ کِسی بھی خبیث، باطل عقیدے اور عمل کی کتنی ہی کثرت کیوں نہ ہو جائے، اپنی کثرت کی وجہ سے وہ طیّب نہیں ہو سکتا، طیّب صِرف وہی ہے جِسے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وسلم نے

طیّب قرار دِیا ہو،
اللہ کی قسم، جِس کے عِلاوہ کوئی سچا اور حقیقی معبود نہیں، خبیث میں جو کوئی بھی اور جیسی بھی لذت ہو، طیّب میں اُس سے زیادہ اعلیٰ اور لذیذ لذت ہوتی ہے، جِس میں دُنیا اور آخرت کے نُقصانات سے مکمل بچاؤ بھی مُیسر ہوتا ہے، جبکہ خبیث میں لذت تو ہو سکتی ہے بلکہ اکثر اوقات ہوتی ہی ہے لیکن دُنیا اور آخرت کی نُقصانات سے کوئی بچاؤ نہیں ہوتا،
طیّب کمانے، کھانے، پہننے اور طیّب عقائد اور عمل کرنے والے کا دِل تقویٰ کی مٹھاس، اِطمینان اور حقیقی سُکون سے پُر ہو جاتا ہے، اور خبیث کمانے، کھانے، پہننے اور خبیث عقائد اور عمل کرنے والے کا دِل نہ تو تقویٰ کی مٹھاس پاتا ہے اور نہ ہی کِسی قِسم کا کوئی حقیقی سُکون،
اللہ عزّ و جلّ ہم سب کو اور ہمارے سب ہی کلمہ گو مُسلمان بھائی اور بہنوں کو طیّب اور خبیث کی پہچان عطاء فرمائے اور اپنے تمام ہی معاملات میں طیّب کو اپنانے اور خبیث کو ترک کرنے کی ہمت عطاء فرمائے، والسلام علیکم۔

قُرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)، سترہواں قاعدہ 17

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ

و الصَّلاۃُ والسَّلامُ علیٰ رَسولہِ الکریم مُحمدٍ و علیَ آلہِ وَأصحابہِ وَأزواجِہِ وَمَن تَبِعَھُم بِاِحسانٍ إِلیٰ یَومِ الدِین ، أما بَعد :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿ مَا عَلَى الْمُحسنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ::: خیر خواہی کے ساتھ نیکی میں شامل ہونے کی کوشش کرنے والوں پر اِلزام و اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ﴾ سُورت التوبہ (9)/آیت 91،
[مذکورہ بالا فرمان مُبارک میں """ مُحسنین """ کا ترجمہ آیات کے سیاق و سباق کے مُطابق کیا گیا ہے]
اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان ہمارے موضوع "قرآن میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں 17 ویں قانون کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے،
یہ قاعدہ، قانون بھی اِنسانوں کے درمیان مُعاملات نمٹانے کے بارے میں ہے، ہمیں یہ قانون اللہ جلّ و علا نے اپنے مذکورہ بالا کلام میں بتایا ہے، اور یہ قاعدہ جِہادِ تبوک میں شمولیت نہ کرنے والوں کی طرف سے پیش کیے جانے والے مختلف عُذر کے بیان اور اُن اعذار میں سے مقبول اور نامقبُول عُذر کے بیان میں اِرشاد فرمایا گیا،
جہادِ تبوک ماہ رجب نو 9 سن ہجری میں پیش آیا تھا، اور اِس میں کچھ لوگوں نے حصہ نہیں لیا، اور جہاد میں شامل نہ ہو سکنے کے بارے میں مختلف عُذر پیش کیے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اِس سارے واقعہ کو اپنے اِلفاظ میں، اپنے اِس کتاب کریم میں یُوں بیان فرمایا :::

﴿ وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحسنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَلَا عَلَى

الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ O إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ::: نیکی اور دیہاتیوں میں سے عُذر پیش کرنے والے (آپ کے پاس) آئے تا کہ آپ اُنہیں (جہاد میں شامل نہ ہونے کی) اجازت فرما دیں، اور جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کو جُھٹلایا وہ (جہاد میں شامل ہوئے بغیر) بیٹھے رہے، جلد ہی اِن لوگوں میں سے (یہ) کفر کرنے والوں کو دردناک عذاب پکڑے گا O (جسمانی طور پر) کمزور، اور بیمار لوگ، اور جِن کے پاس (جہاد میں) خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں، اگر وہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ رہیں تواُن لوگوں پر (جہاد میں شامل نہ ہونے کا) کوئی گناہ نہیں، خیر خواہی کے ساتھ نیکی میں شامل ہونے کی کوشش کرنے والوں پر الزام و اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، بے شک اللہ بہت بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے O اور نہ ہی اُن لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جو آپ کے پاس آئے کہ آپ اُنہیں بھی (جہاد میں شامل ہونے کے لیے) سواریاں عنایت فرمایے، اور آپ نے اُن سے فرمایا کہ آپ کے پاس اُن لوگوں کو عنایت فرمانے کے لیے سواریاں نہیں ہیں، تو وہ اِس حالت میں واپس ہوئے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، اِس دُکھ کی وجہ سے کہ اُن کے پاس ایسا کچھ نہیں جو وہ (اللہ کی راہ میں، جہاد میں) خرچ کر سکتے O الزام اور اعتراض (اور گناہ تو) اُن پر ہے جو مال دار ہیں اور مخالفت کرنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہنے پر راضی ہیں اور اسی لیے آپ سے (جہاد میں شامل نہ ہونے کی) اجازت طلب کرتے ہیں، اور اللہ نے اِن لوگوں کے دِلوں پر مہریں لگا دی ہیں لیکن یہ لوگ اِس کا عِلم نہیں رکھتے﴾ سُورت التوبہ (9)/آیت 90 تا 93،

اللہ جلّ و عزّ نے اپنے اِن فرامین مُبارکہ میں یہ واضح فرما دِیا کہ جہاد میں شامل نہ ہو سکنے والوں کے عُذروں میں سے اللہ کے ہاں مقبول عُذر جسمانی کمزوری، بیماری اور جِہاد کے لیے خرچ نہ ہونا ہیں (اِن کے علاوہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی سُنّت شریفہ میں جو کچھ ظاہر فرمایا وہ مُعاملات بھی ہیں)، لیکن وہ لوگ جو جسمانی طور پر بھی مضبوط ہوں، صحت مند ہوں، اور مال والے بھی ہوں، لیکن اپنی بزدلی، ایمانی کمزوری اور کفار و مشرکین اور منافقین سے لگاؤ کی وجہ سے جہاد میں شامل نہ ہونے کے لیے بہانے بازی کرتے ہیں وہ اُن لوگوں میں سے ہوتے ہیں جن کے دِلوں پر اللہ نے مہرین لگا دی ہوتی ہیں اور اُن لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا بلکہ وہ لوگ خود کو راہ راست پر سمجھتے ہیں، """ترک جہاد""" کو کبھی تو اپنی خود ساختہ """خلاف قران، قران فہمی""" کے مُطابق """ موافق ءقران """ کے مُطابق سمجھتے ہیں، اور کہیں اپنی بزدلی اور ایمانی کمزوری کو چھپانے کے لیے اپنی زندگیوں کو ایک دفعہ پھر سے """مکی دور""" میں قرار دیتے ہیں، اور، اور، اور، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ،

یہ سب عُذر اللہ کے ہاں منافقت اور کفر کے زُمرے میں آتے ہیں، جس کا اعلان اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اِن مذکورہ بالا فرامین میں فرما دِیا،

اِس مضمون میں میرا موضوع جہاد سے رُکے رہنے اور روکنے والوں کی بہانے بازیوں پر بات کرنا نہیں، بلکہ اِن مذکورہ بالا آیات کریمہ میں بیان کردہ اُس قاعدے اور قانون کو سمجھنا ہے جِس کو آغاز میں ذِکر کیا گیا کہ ﴿ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ::: خیر خواہی کے ساتھ نیکی میں شامل ہونے کی کوشش کرنے والوں پر الزام و اعتراض کرنے کی کوئی

گنجائش نہیں ﴾ ،

قران کریم میں بیان کردہ اِس الٰہی قاعدے کے معانی اور مفاہیم کو أئمہ کرام رحمھم اللہ نے مختلف انداز، پیرائے اور زاویوں سے بیان فرمایا:::

اِمام قرطبّی رحمہ ُاللہ نے اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القران" میں لکھا """ وَهَذِهِ الْآيَةُ أَصْلٌ فِي رَفْعِ الْعِقَابِ عَنْ كُلِّ مُحسن::: یہ آیت ہر اس شخص کو سزا سے بری قرار دیتی ہے جو (اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی) خیر خواہی کے ساتھ نیکی کرنے کی خواہش اور کوشش کے باوجود نیکی کر نہیں پاتا، """،

اِمام الشوکانی رحمہ ُاللہ نے اپنی تفسیر "فتح القدیر" میں لکھا """ أي لَيس عَلَى المَعذُورِينِ النَّاصِحِينِ مِن سَبيلٍ : أَي طريقُ عِقابٌ ومؤاخَذَةٌ::: یعنی، خیر خواہی کے ساتھ نیکی میں شامل ہونے کے خواہش مندوں پر الزام واعتراض کی کوئی گنجائش نہیں، یعنی اُن لوگوں کو سزا دینے یا اُن پر گرفت کرنے کی کوئی گنجائش نہیں """،

اِمام محمد بن جریر الطبری رحمہ ُاللہ نے اپنی تفسیر "جامع البیان فی تأویل القرآن" میں لکھا """ لَيسَ عَلَى مَن أَحسنَ فَنَصَحَ لِلَّهِ وَلِرَسولِهِ فِي تَخلُّفِهِ عَن رَسُولِ اللهِ صَلى اللهُ عَليهِ وَسلمَ عَنِ الجِهادِ مَعهُ. لَعُذرٍ يُعذَرُ بِهِ. طريقٌ يتطرّق عليه فيُعاقَب مِن قِبلهِ::: جِس کسی نے اچھے طور پر کوشش کی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی خیر خواہی کی، اور پھر بھی کسی قابل قبول عُذر کی وجہ سے رسول اللہ صلی علیہ وعلی آلہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شامل نہ ہو سکا تو اُس کے لیے کسی کے پاس ایسی کوئی راہ نہیں جِس کے ذریعے اُسے سخت سُست کہا جائے یا سزا دی جائے """،

قران کریم میں مذکور احکام و قواعد کے بارے میں أئمہ کرام اور علما کرام کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے ایک فرمان *** کے مُطابق یہ قانون رائج ہے کہ """ أَنَّ العِبرَةَ بِعُمُومِ اللَّفظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ::: حکم اِلفاظ کے عموم کے مُطابق ہوتا ہے نہ کہ اِلفاظ فرمائے جانے کے سبب کے مُطابق """، اسی قانون، اِسی قاعدے کے مُطابق ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ اس قاعدے ﴿ مَا عَلَى الْمُحسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ::: خیر خواہی کے ساتھ نیکی میں شامل ہونے کی کوشش کرنے والوں پر الزام واعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ﴾ کو سمجھتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ قاعدہ مقرر کرتا ہے کہ ہر مُسلمان اِس بات سے آزاد ہے کہ اُسے شریعت کے احکام کی حُدود سے خارج کسی اور حکم کا پابند کیا جائے، اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کسی بھی شخص کو دُوسرے اِنسانوں کے بارے میں کِسی مُعاملے کا اُس وقت تک پابند نہیں کیا جا سکتا جب تک اُس مُعاملے کی پابندی کا کوئی سبب شرعی اور عُرفی طور پر ثابت نہ ہو،

اِس وقت ہماری زیر مطالعہ یہ آیت کریمہ عُلماء کرام کے لیے فقہ کے بہت سے مسائل اخذ کرنے کا سبب رہی ہے اور ہے

،

جِس کا خلاصہ یہ ہے کہ """ اگر کوئی مسلمان کسی دُوسرے کے ساتھ خیر خواہی کرے، خواہ اُس کے مال میں ہو، یا اُس کی جان میں، یا کِسی بھی اور مُعاملے میں، خیر خواہی کرے، لیکن اُس کا نتیجہ کسی نقصان کی صُورت میں ظاہر ہو جائے، تو وہ خیر خواہی کرنے والا شخص کِسی سزا کا مستحق نہیں ہوتا، اور نہ ہی اُسے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جانا چاہیے،

کیونکہ ،،، وہ شخص """ مُحسن """ ہے اور اللہ کے اِس فرمان ﴿ مَا عَلَى الْمُحسنينَ مِنْ سَبِيلٍ ﴾::: خیر خواہی کے ساتھ نیکی میں شامل ہونے کی کوشش کرنے والوں پر الزام و اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ﴾ کے مُطابق اُس پر کوئی سزا وارد نہیں ہو گی """،

اِس درس میں ہمارا اِس قاعدے میں تدبر کرنے کا مقصد فقہی مسائل کا استنباط نہیں ، لہٰذا ہم فقہی مسائل کو ایک طرف رکھتے ہوئے اِنسانی زندگی کے روز مرہ کے معمولات میں اِس قاعدے کے نفاذ کی طرف آتے ہیں،

کیونکہ ہماری زندگی میں ایسے بہت سے مُقامات اور مُعاملات آتے ہی رہتے ہیں جن میں اپنی ذات کے علاوہ کِسی دُوسرے کے لیے کِسی بھی کام کو نیک نیتی ، خیر خواہی اور بہترین طور پر کرنے کے مواقع میسر ہوتے ہیں، اِن دُوسرے اِنسانوں میں سب سے پہلے اپنے گھرانے اور اپنے خاندان والے آتے ہیں، اُس کے ماں باپ، اُس کے بھائی بہن، اُس کے بیوی بچے ،

لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ اپنے اِن رشتہ داروں کی طرف سے کِسی خیر خواہی کے ناپسندیدہ نتیجے کی صُورت میں اُن رشتہ داروں کو بُرا کہتے اور بُرا سمجھتے ہیں ، طعن و تشنیع کرتے ہیں، اور معاذ اللہ بسا اوقات تو عملی طور پر رشتہ داری ہی ختم کر دیتے ہیں ، اور شاید یہ جانتے ہی نہیں اُن کا یہ کام اللہ تبارک وتعالیٰ کے اِس فرمان ﴿ مَا عَلَى الْمُحسنينَ مِنْ سَبِيلٍ ﴾ کے خِلاف ہے ،

مِثال کے طور پر ایک شخص کِسی دِینی، مُعاشرتی ، مُعاشی ، یا خاندانی بھلائی کے لیے کام کرتا ہے ، اور اُس کام میں وہ اپنا وقت ، اپنی جان ، اپنا مال سب کچھ اِستعمال کرتا ہے ، دُوسروں سے مدد بھی طلب کرتا ہے لیکن کوئی بھی اُس کی مدد نہیں کرتا ، پھر بھی وہ اکیلا ہی اُس بھلائی کے حصول کے لیے محنت کرتا ہی رہتا ہے اِسی کوشش میں کوئی ایسا کام یا کوئی ایسا نتیجہ ظاہر ہو جاتا ہے جو بھلا نہیں ہوتا ، تو لوگ ، جن میں اُس کے اپنے بھی ہوتے ہیں اور پرائے بھی ، اُس شخص کی خیر خواہی اور نیک نیتی پر مشتمل بھلائی کے لیے کی گئی محنتوں پر اُس کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے ، اُس کے متوقع مثبت نتائج کے بر عکس منفی نتیجہ برامد ہونے پر اُس کی حوصلہ افزائی کرنے ، اور اُس کے دُکھ میں شریک ہونے کی بجائے ، اُس کو لعن و طعن کا نشانہ بنا لیتے ہیں ،

جبکہ وہ شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کے بیان فرمودہ قاعدے ﴿ مَا عَلَى الْمُحسنينَ مِنْ سَبِيلٍ ﴾ کے مُطابق اِس لعن و طعن کا مُستحق نہیں ہوتا ،

ایسا کرنے والوں کو شاید یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے اِس حکم کی نافرمانی کر رہے ہیں اور شاید اُنہیں یہ بھی احساس نہیں ہو پاتا کہ اپنی اِس غلطی کی وجہ سے وہ اپنی مُعاشرتی زندگی کو کس قدر پراگندہ اور گناہ آلود کر لیتے ہیں ، اور اُن کی اِس غلطی کا منفی اثر صِرف انہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ اجتماعی طور پر سارے ہی مُعاشرے پر اثر انداز ہوتا ہے ،

افسوس ، صد افسوس کہ اِس وقت ہمارے مُسلم مُعاشرے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کردہ اِس قاعدے سے رُو گردانی کی مِثالیں تقریباً زندگی کے ہر میدان عمل میں ملتی ہیں ، اور کافی ملتی ہیں ، گھروں میں ، خاندانوں میں ، سکولز میں ، کالجز میں ، یونیورسٹیز میں ، بازاروں میں ، ذاتی نوعیت کے کاروباری یا غیر کاروباری اِداروں میں ، سرکاری اداروں میں ، دِین کی دعوت دینے والے اِداروں میں ، دین کے نام پر یا کِسی اور نام پر فلاح و بہبود کا کام کرنے والے اِداروں میں ، غرضیکہ ہر جگہ ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ نیک نیتی سے نیکی کی کوشش کرنے والوں کے کاموں میں ناکامی یا کِسی غیر مطلوبہ نتیجے کی صُورت

میں اُن لوگوں کو طنز و مزاح اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنا لیا جاتا ہے ، اور اللہ جلّ وعُلا بیان فرمودہ قاعدے ﴿ مَا عَلَى الْمُحسنينَ مِنْ سَبِيلٍ ﴾ کو بھول جایا جاتا ہے ،

یقیناً اِس میں کوئی شک نہیں کہ اِس قاعدے پر عمل کرنے کا یہ مطلب و مقصود ہرگز نہیں کہ کِسی کی غلطی اور کوتاہی کی نشاندہی نہ کی جائے ، لیکن اس کے لیے ایسا اسلوب اپنانا چاہیے جو زیادہ زیادہ سے خیر والا ہو ، جِس سے غلطی اور کوتاہی کی اصلاح ہو اُس میں اضافہ نہ ہو ،

میں یہاں اِس قرانی قاعدے سے متعلق ایک اور بہت اہم مُعاملے کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں ، ایسا مُعاملہ جِس میں اکثر لوگ غلطی کا شکار ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ مُحسن ہیں ، جبکہ در حقیقت وہ خطاکار ہوتے ہیں ،

اور وہ اِس طرح کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی نیک کام کرنے کا اِرادہ کرتا ہے اور اس کام کی تکمیل کے لیے تیاری بھی کرتا ہے اور تکمیل کے لیے کام بھی شروع کرتا ہے ، اور کسی ایک یا چند ایک اِنسانوں سے اُس کام کی تکمیل کا وعدہ بھی کر لیتا ہے ، لیکن پھر کسی مقبول شرعی عُذر کے بغیر اُس کام سے دُور ہو جاتا ہے ، اور خود کو مُحسن سمجھتا ہے ، جبکہ خود پر اُس کام کو لازم کر لینے کے بعد ، لوگوں سے وعدہ کرنے کے بعد وہ اُس کام کو مکمل کرنے کا شرعی طور پر پابند ہوتا ہے ، اور اِس شرعی پابندی کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے وہ ڈانٹ اور سزا کا مستحق ہوتا ہے ،

مثال کے طور پر ، کِسی مسلمان پر شرعی طور پر نذر ماننا واجب نہیں ، لیکن جب کوئی نذر مان لے تو پھر وہ اُسے پورا کرنے کا پابند ہوتا ہے اور پورا نہ کرنے کی صورت میں گناہ گارہ ہوتا ہے ،

پس اِس قرانی قاعدے کو اپنی کوتاہی کو احسان بنانے کے لیے استعمال کرنا یقیناً ایک غلطی ہے ، ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے اور اس پر عمل پیرا بھی رہنا چاہیے کہ اِس قرانی قاعدے کے ذریعے ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ """ اگر کوئی مسلمان کِسی دُوسرے کے ساتھ خیر خواہی کرے ، خواہ اُس کے مال میں ہو ، یا اُس کی جان میں ، یا کِسی بھی اور مُعاملے میں ، خیر خواہی کرے ،تو وہ شخص محسن ہے ، اب اگر کسی بھی سبب سے اُس کی خیر خواہی کا نتیجہ کِسی نقصان کی صُورت میں ظاہر ہو جائے ، تو وہ خیر خواہی کرنے والا محسن کِسی سزا کا مستحق نہیں ہوتا ، اور نہ ہی اُسے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جانا چاہیے ،

کیونکہ ،،، وہ شخص """ مُحسن """ ہے اور اللہ کے اِس فرمان ﴿ مَا عَلَى الْمُحسنينَ مِنْ سَبِيلٍ ::: خیر خواہی کے ساتھ نیکی میں شامل ہونے کی کوشش کرنے والوں پر اِلزام و اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ﴾ کے مُطابق اُس پر کوئی سزا وارد نہیں ہو گی """ ،

::: حاصل کلام ::: جو شخص خیر خواہی کے ساتھ ، اچھی نیت سے ، کسی غرض و لالچ کے بغیر ، نیکی ، خیر اور بھلائی والے کام کرتا ہے وہ محسن ہے ۔

تفصیلی طور پر محسنین کی سب ہی صِفات کا تذکرہ کرنا موضوع سے دُور لے جانے کا سبب ہو سکتا ہے اِس لیے اجمالی طور پر ایک تعریف ذِکر کر دی ہے ، اِن شاء اللہ محسنین کی صِفات کے بارے میں الگ مضمون لکھا جائے گا ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اور ہمارے سب ہی مُسلمان بھائی بہنوں کو اُس کے دیے ہوئے اِس قاعدے اور قانون کو بھی ہماری زندگیوں میں نافذ کرنے کی توفیق عطاء فرمائے ۔ والسلام علیکم ۔

*** عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے کہ ،،، ایک شخص نے (کِسی غیر) عورت کا بوسہ لیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اِس گناہ کا ذِکر کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی ﴿وَأَقِمِ الصَّلاَةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ ::: اور دِن کے دونوں کناروں کے وقت میں نماز پڑھا کرو اور کچھ رات گذرنے کے بعد نماز پڑھا کرو ، یقیناً نیکیاں ، گناہوں کو دُور کر تی ہیں ، یہ تو اُن کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرتے ہیں ﴾ سُورت ھُود (11)/آیت 114،

اُس شخص نے عرض کی """ یہ آیت کیا میرے لیے ہے """،

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہوئی ﴿لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي ::: میری اُمت میں سے ہر اُس شخص کے لیے ہے جو اِس پر عمل کرے گا ﴾، صحیح البخاری /حدیث 4687/کتاب التفسیر ، صحیح مُسلم /حدیث 7177/ کتاب التوبہ/باب 7،

یہ حدیث شریف امام محمد بن حبان نے اپنی سند کے ساتھ اپنی صحیح ابن حبان میں، اور امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ اپنی سُنن میں روایت کیا ہے۔اِمام الالبانی رحمہُ اللہ کی تحقیق کے مُطابق اُن کی اسناد بھی صحیح ہیں۔

۞۞قران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)، اٹھارہواں قاعدہ 18۞۞

بِسمِ اللَّهِ الرَّحمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ

و الصَّلاةُ والسَّلامُ عَلَىٰ رَسولهِ الكريم مُحمدٍ و عَلَىٰ آلهِ وأصحابهِ وأزواجِهِ و مَن تَبِعَهُم بِإِحسانٍ إِلَىٰ يومِ الدِين ، أما بَعد :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ::: اے ایمان لانے والو اللہ (کے غیض و عذاب) سے بچو اور سچائی والوں کے ساتھ رہو ﴾ سُورت التوبہ (9)/آیت 119،

اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان ہمارے موضوع "قران میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں 18ویں قانون کے طور پر بیان کیا جارہا ہے، اِس مذکورہ بالا آیت شریفہ میں بھی اللہ عزّ و جلّ نے ایک اور بہت عظیم قاعدہ، قانون بیان فرمایا ہے،

اِسے اچھی طرح سے سمجھنے کے لیے ہمیں "صِدق" اور "صادقین" کا مفہوم سمجھنا ہو گا،

اِن دونوں کو الحمد للہ ایک مُستقل مضمون میں الگ سے پیش کیا جا سکا ہے،

::: قرآن و سُنّت کے سایے میں ::: صِدق، سچائی :::

یہ مضمون اِس ربط پر مُطالعہ کے لیے موجود ہے، http://bit.ly/1avEyeY

یہاں میں اِسی مضمون میں سے "صادقین" کی تعریف کے بارے میں کچھ معلومات نقل کر رہا ہوں،

""" صادقین وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے ساتھ چلے مُنافقین کے ساتھ نہیں ہوئے، اور اُن میں سب سے پہلا گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں،

اِس آیت مُبارکہ میں """ صادقین ::: سچائی والوں """ کی تفسیر میں چند اور اقول بھی مذکور ہیں،

پس کہا گیا کہ """ صادقین """ سے مُراد انبیاء اور رسول علیہم الصلاۃ والسلام ہیں، اور کہا گیا کہ """ صادقین """ سے مُراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد پورے کیے، اور کہا گیا کہ """ صادقین """ سے مُراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے پہلے دو بلا فصل خلیفہ ابو بکر الصدیق اور عُمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہما ہیں، اور کہا گیا کہ """ صادقین """ سے مُراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، اور کیا گیا کہ """ صادقین """ سے مُراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس طرح حق قبول کیا اور اسکی تصدیق کی کہ اُنکے ظاہر اور باطن میں کوئی فرق نہیں ہوا، (تفسیر الطبری، تفسیر القرطبیؒ)،

(خیال رہے یہ مختلف اقوال اختلاف نہیں ہیں بلکہ تنوع فہم ہیں اور سب کے اپنی اپنی جگہ پر ایک صحیح مفہوم لیے ہوئے اور کوئی بھی اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے کسی فرمان کے خلاف نہیں) """،

قارئین کرام، اگر ہم اِس آیت شریفہ کو اِس سے پہلے والی آیات کے مُطابق سمجھتے ہیں تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اِس میں ذِکر کردہ " صادقین " سے مُراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہی ہیں،

اِس آیت شریفہ میں عطاء کیا گیا قاعدہ، قانون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اور اُن کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر ایک طویل اور انتہائی پُر مُشقت صبر آزما امتحان کے ذِکر بعد ذِکر کیا گیا ہے،

وہ امتحان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم، اور اُن کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر جہادِ تبوک کی صُورت میں درپیش آیا،

اور اُن تین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر ٹوٹنے والی اُس مُصیبت کے ذِکر کے بعد ذِکر کیا گیا، جو مُصیبت اِس جہاد سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے اللہ تعالی کی ناراضگی، اُس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اور سب ہی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی ناراضگی اور قطع تعلّقی کی صُورت میں اُن تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر پڑی،

اور اِس امتحان اور مُصیبت کے بعد اللہ عزّ و جلّ نے اپنے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم پر، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور جہادِ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ رضی اللہ عنہم پر اپنی رحمت کا نزول فرمایا، اور اِن سب کو حسبِ رُتبہ اور بالترتیب """ صادقین """ کے أئمہ قرار دِیتے ہوئے اِیمان والوں کو اُن کی اِتباع کے ذریعے اُن کے ساتھ رہنے کا حکم دِیا،

محترم قارئین، اِس قاعدے، اِس قانون سے پہلے والی آیات مُبارکہ میں تدبر کرنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، کہ صِدق و سچائی صِرف باتوں تک ہی محدود نہیں ہوتی، بلکہ باتوں، کاموں، مختلف حالتوں، کیفیات اور مُعاملات وغیرہ سب ہی میں ہوتی ہے، اور اِس صدق کو زندگی کے ہر ایک معاملے پر نافذ کرنے اور اسی کے مُطابق اپنے معاملات کی تکمیل کرنے کی سب سے بڑی، اعلیٰ اور مکمل مِثال ہمارے نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم تھے، نبی اور رسول مبعوث ہونے سے پہلے بھی، بعد میں بھی، اب بھی وہی ہیں اور ہمیشہ وہی رہیں گے،

ہمارے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے صِدق و سچائی، امانت اور راست بازی کی گواہی تو اُن کے اِرد گرد پائے

جانے والے مشرکین بھی دیتے تھے، اور اُن میں سے کتنے ہی صاحبِ عقل ایسے ہوئے جِن کی عقل ، نبی اکرم صلی اللہ علیہِ وعلی آلہ وسلم کے صِدق کی وجہ سے اِیمان قُبول کرنے کا سبب بنی ،

اور اب ہمارے اِرد گِرد ایسے کتنے ہی نام نہاد مُسلمان، عقل مند، مذھبی اور غیر مذھبی سکالرز پائے جاتے ہیں جو نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہِ وعلی آلہ وسلم کے فرامین شریفہ اور افعال مُبارکہ کو اپنی گمراہ اور اندھیر عقلوں پر پرکھ کر رَد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اِن لوگوں کو ہدایت دے ، اور جب تک اللہ پاک کی مشئیت میں اِن لوگوں کے لیے ہدایت نہیں ہے اللہ جلّ جلالہُ اپنی تمام مخلوق کو اِن لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے ،

پس ، محترم قارئین ، آپ بھی اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیجیے کہ اِس قاعدے ، اِس قانون میں مذکور صِدق صِرف باتوں کی سچائی تک محدود نہیں ، اور سمجھ لیجیے کہ ، صِدق کے نتائج بہت ہی اعلیٰ اور بہترین ہیں ،

صِدق کا وجود کسی مُسلمان کی عقل کی دُرستگی کی دلیل ہے ،

صِدق کا وجود کسی مُسلمان کے حُسنِ کردار کی دلیل ہے ،

صِدق کا وجود کسی مُسلمان کے باطن کی صفائی کی دلیل ہے ،

اگر کِسی مُسلمان کی شخصیت میں صِدق نہیں تو لا محالہ اُس کی جگہ اُس کی ضِد ہی ہو گی ، یعنی جھوٹ ، دھوکہ بازی ، فریب کاری ، بے رحمی ، کفار اور مُشرکین سے لگاؤ ، اُن کی نقالی ، اُن کا خوف ، اور اُن کی پیروی وغیرہ ، اور یہ سب کام اُس کے لیے دُنیا اور آخرت کی بُزدِلی ، ذِلت ، پریشانی ، رُسوائی اور ناکامیوں کے عِلاوہ اور کچھ لانے کا سبب نہیں ہوتے ،

جبکہ صِدق دُنیا اور آخرت میں ، بُہادری ، ثابت قدمی ، عِزت ، بُزرگی ، اور اطمینانِ نفس کا سبب ہوتا ہے ،

اگر آپ صِدق کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرامین کا تدبر کے ساتھ مطالعہ کیجیے تو آپ اِس کی فضیلت اور نتائج کے بارے میں جان کر حیران رہ جائیں گے ،

یہاں سے آگے چلنے سے پہلے میں ایک دفعہ پھر آپ کو صِدق کے بارے میں اُس مضمون کے مطالعے کا مشورہ پیش کرتا ہوں ، جِس مضمون کا ذِکر پہلے کیا گیا ہے ،

یہاں میں صِدق کے کچھ نتائج کا سرسری ذِکر کرتا ہوں ، تاکہ کچھ معلومات اِس مضمون میں بھی مُیسر رہیں ،

:::(1)::: صِدق سارے ہی نبیوں اور رسولوں علیہم السلام کا منہج رہا ہے ، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے صِدق کی وجہ سے بھی اُن کی تعریف فرمائی ہے ،

:::(2)::: صِدق کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے اور صاحبِ صِدق کی اللہ عزّ و جلّ اِس طرح مدد کرتا ہے کہ جِس طرح وہ سوچ بھی سکتا ، بلکہ بسا اوقات تو صِدق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مخالف کو ہی اپنی غلطی کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیتا ہے ، جیسا کہ یُوسف علیہ السلام کے واقعہ میں عزیزِ مصر کی بیوی نے یُوسف علیہ السلام کے صِدق سے متاثر ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا ،

:::(3)::: صِدق جنّت تک پہنچانے کا سبب ہے ، اِس کی خبر بھی صادق المصدوق محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمائی ہے کہ ﴿إِنَّ الصِّدقَ يَهدِى إلى البِرِّ وَإِنَّ البِرَّ يَهدِى إلى الجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصدُقُ حتى يَكُونَ صِدِّيقًا وَإِنَّ الكَذِبَ يَهدِى إلى الفُجُورِ وَإِنَّ الفُجُورَ يَهدِى إلى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكذِبُ حتى يُكتَبَ

عِندَ اللَّهِ كَذَّابًا::: بے شک صِدق نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور یقینا نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور وہ شخص جو صِدق پر (مستقل) عمل پیرا رہتا ہے (اُسکے لیے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ) وہ اللہ کے ہاں صدیقوں میں لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ یقینا برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی یقینا جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور وہ شخص جو ہمیشہ جھوٹ بولتا رہے (اُسکے لیے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ) وہ اللہ کے ہاں جھوٹوں میں لکھ لیا جاتا ہے﴾ صحیح البُخاری/حدیث 7543/کتاب الادب/باب 69، صحیح مُسلم/حدیث 2607/کتاب البر والصلۃ والآداب/باب 29،

:::(4)::: صِدق اپنے اصحاب کو قیامت والے دِن فائدہ ملنے کا سبب ہو گا، اللہ جلّ جلالہُ کا فرمان ہے﴿قَالَ اللَّهُ هَذَا يَومُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ صِدقُهُم لَهُم جَنَّاتٌ تَجرِى مِن تَحتِهَا الأَنهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً رَّضِىَ اللّهُ عنهُم وَرَضُوا عنهُ ذَلِكَ الفَوزُ العَظِيمُ::: اللہ نے فرمایا یہ وہ دِن ہے جِس میں سچائی والے لوگوں کو اُن کی سچائی نفع دے گی اُن کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں، اُن باغات میں یہ سچائی والے لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ ہے عظیم کامیابی﴾ سُورت المائدہ(5)/آیت 119،

::: (5) ::: صِدق والے اللہ تعالیٰ کی بخشش پانے والوں میں سے ہیں ، اللہ پاک کا فرمان ہے ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ ،،،،،،،،،،،،،، أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا::: یقیناً مُسلمان مرد اور مُسلمان عورتیں، اور اِیمان والے مرد اور اِیمان والی عورتیں ، اور (اللہ کے سامنے) عاجزی اختیار کیے رہنے والے مرد اور عورتیں ، اور سچائی والے مرد اور عورتیں ،،،،،،،،،،،،،،، اللہ نے اُن سب کے لیے بخشش اور عظیم ثواب تیار کر رکھا ہے﴾ سُورت الاحزاب(33)/آیت 35،

افسوس، صد افسوس کہ آج مُسلمانوں کی اکثریت، اپنے اللہ کے بتائے ہوئے اِس قاعدے، اِس قانون سے تقریباً لاعلم ہو چکی ہے، اور صِدق اپنانے کی بجائے، صادقین کے ساتھ رہنے کی بجائے، محض کچھ دُنیاوی فوائد پانے کے لیے، یا کسی ممکنہ نُقصان سے بچنے کے لیے جھوٹ اپنانے میں کوئی تردد نہیں کرتی،

آیے، آج سے ہم یہ سچا اور پکا اِرادہ کریں کہ ہم اپنے اللہ عزّ و جلّ کے بتائے ہوئے قاعدے ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ::: اے ایمان لانے والو اللہ (کے غیض و عذاب) سے بچو اور سچائی والوں کے ساتھ رہو﴾ پر عمل پیرا رہنے کی مکمل کوشش کریں گے، اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ ہمیں دُنیا اور آخرت میں صادقین کے ساتھ رہنے والوں میں سے بنائے، صادقین میں سے بنائے۔ والسلام علیکم۔

قران کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،اُنیسواں قاعدہ 19

بِسمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ

و الصَّلاۃُ والسَّلامُ عَلیٰ رَسولہِ الکریم مُحمدٍ و عَلیٰ آلہِ وَأصحابہِ وَأزواجِہِ وَ مَن تَبِعَھُم بِاِحسانٍ إِلیٰ یَومِ الدِین ، أما بَعد :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے ﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ::: پس (اے محمد) آپ اور آپ کے وہ ساتھی جو (کفر و شرک سے) تائب ہوئے ہیں، (اُسی طرح حق پر اِستقامت کے ساتھ) قائم رہیے جِس طرح آپ کو حکم دِیا گیا ہے، اور نافرمانی مت کیجیے گا، بے شک آپ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ وہ سب دیکھ رہا ہے ﴾ سُورت ھُود (11)/آیت 112،

اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان ہمارے موضوع "قران میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں 19ویں قانون کے طور پر بیان کیا جارہا ہے، اِس مذکورہ بالا آیت شریفہ میں بھی اللہ عزّ و جلّ نے ایک اور بہت عظیم قاعدہ، قانون بیان فرمایا ہے، اور وہ ہے ﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ::: پس (اے محمد) آپ (اُسی طرح حق پر اِستقامت کے ساتھ) قائم رہیے جِس طرح آپ کو حکم دِیا گیا ہے ﴾،

اللہ عزّ و جلّ نے یہ قاعدہ، یہ قانون، سورت ھُود میں ذِکر فرمایا ہے، اِس عظیم سُورت میں اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کی راہوں کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے، اور دونوں راہوں پر گامزن لوگوں کے انجام بتائے ہیں، اور کچھ نبیاء کرام علیہم السلام کی اُن کے قوموں کے ساتھ واقعات بیان فرمائے ہیں، اور اِن سب کا اختتام اِس آیت شریفہ پر کیا جِس کا ذِکر آغاز میں کیا گیا ہے،

اِس سُورت میں تدبر کرنے والے کو واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس سُورت میں اپنے خلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کو بہت دفعہ مخاطب فرمایا ہے، اور سب سے آخر میں مخاطب فرماتے ہوئے یہ قاعدہ ﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ::: پس (اے محمد) آپ اور آپ کے وہ ساتھی جو (کفر و شرک سے) تائب ہوئے ہیں، (اُسی طرح حق پر اِستقامت کے ساتھ) قائم رہیے جِس طرح آپ کو حکم دِیا گیا ہے، اور نافرمانی مت کیجیے گا، بے شک آپ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ وہ سب دیکھ رہا ہے ﴾ بطور حکم اِرشاد فرمایا

،

ہم جب اِس قاعدے میں تدبر کرتے ہیں تو ہمیں کئی بہت فائدہ مند باتیں سمجھ آتی ہیں :::

::: اِستقامت کیا ہے؟ اور اِس پر کاربند رہنے کے حکم میں کیا حِکمت ہے؟ :::

چونکہ ہمارا موضوع اِستقامت نہیں، لیکن یہاں زیر مطالعہ قاعدے کو دُرُست طور پر سمجھنے کے لیے اِستقامت کا مختصر تعارف حاصل کرنا ضروری ہے، الحمد للہ اِستقامت کے بارے میں بنیادی تفصیلات پر مبنی ایک الگ مضمون موجود ہے، تفصیلی معلومات کے طلبگار اُس کا مطالعہ فرما سکتے ہیں،

ائمہ کرام رحمہم اللہ کے ہاں پائے جانے والا "اِستقامت" کا معنیٰ اور مفہوم درج ذیل اِلفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے """

هي سلوكُ الصِّراط المستقيم، وهو الدِّينُ القيِّم من غير تعريج عنه يَمنةً ولا يَسرةً، ويشمل ذلك فعلَ الطَّاعات كلّها، الظاهرة والباطنة، وتركَ المنهيات كُلِّها كذلك ::: اِستقامت کا مفہوم ہے کہ اُس واضح راستے پر، مضبوطی کے ساتھ سیدھا سیدھا دائیں بائیں مڑے یا کِسی بھی طرف مائل ہوئے بغیر چلا جائے جو راستہ (اللہ

تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی طرف سے) قائم شدہ دِین ہے، اور اِس دِین میں (اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی طرف سے حکم کیے گئے) ہر کام کو ظاہری اور باطنی طور پر کرنا اور اِسی طرح ہر اُس کام سے باز رہنا شامل ہے جس سے منع کیا گیا"""،

تو"""اِستقامت""" کا مفہوم ہوا، حسب استطاعت ہر ایک کام اللہ کے احکام کے مُطابق کرنا، یا اللہ کے احکام کے مُطابق کِسی کام کو کرنے سے باز رہنا،

اور یہ کہ """اِستقامت""" نیتوں، حالتوں، باتوں، کاموں، سب سے تعلق رکھتی ہے، اور سب میں مُوجود یا غیر مُوجود ہو سکتی ہے،

اور ہمارے زیر مطالعہ قاعدے، قانون میں اِستقامت پر قائم رہنے کے حُکم کی حِکمت یہ سمجھ آتی ہے کہ چونکہ ابلیس کی سب سے زیادہ توجہ اِس پر ہے کہ وہ اِیمان والوں اللہ کی طرف سے مقرر کردہ، اللہ کے اِستقامت والے راستے، یعنی اللہ کے ارسال کردہ اور قائم کردہ واضح دِین اور اللہ تعالیٰ کی تابع فرمانی پر قائم رہنے سے روکے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے اِس اِرادے کی خبر بھی عطاء فرما دی ہے کہ ﴿ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ::: (شیطان نے اللہ سے) کہا جِس طرح تُو نے مجھے ملعون کیا ہے تو میں بھی اب اِن (اِنسانوں کو گمراہ کرنے) کے لیے تیری واضح (کردہ سیدھی) راہ میں بیٹھوں گا﴾سُورت الاعراف (7)/آیت 16،

اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے دِن بھر میں فرض کیے گئی نمازوں کی ہر رکعت میں یہ دُعاء کرنا مقرر کر دِیا کہ ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ::: ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت دے﴾سُورت الفاتحہ،

پس، اِس قاعدے، قانون میں دیے گئے حُکم، یعنی اِستقامت کو اپنائے رکھنے کے حُکم کی سب سے بڑی اور اہم حِکمت یہ سمجھ آتی ہے کہ اِسی کے ذریعے ہم ابلیس کی چالوں سے بچ سکتے ہیں، اور اپنے اِیمان اور عمل کو محفوظ رکھ سکتے ہیں،

:::اِستقامت وہ عظیم اور بیش بہا فوائد والا کام ہے جِس کا حُکم تقریباً سب ہی انبیاء علیہم السلام کو دِیا گیا :::

﴿ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا ،،،،،،،،،،،،،فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ::: آپ کے لیے (اے محمد، ہم نے) وہی دِین مقرر کیا جس کا حُکم ہم نے نوح کو دِیا تھا اور ہم نے آپ کی طرف وحی اُسی راستہ کی طرف بلانے والی بھیجی ہے (جِس راستے پر ہم نے نوح کو بلایا) اور ہم نے یہی حُکم اِبراھیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دِیا تھا کہ اِسی دِین پر قائم رہو اور اِس میں پھوٹ نہ ڈالنا ،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،،لہٰذا، آپ (بھی) اِسی دِین کی طرف بلایے، اور (اِسی پر) قائم رہیے، جیسا کہ آپ کو حُکم دیا گیا﴾سُورت الشُوریٰ (42)/آیت 13 تا 15،

:::اِستقامت ایسی صِفت ہے جِس کی ضرورت ہر مُسلمان کو ہے :::

کوئی مُسلمان اِیمان اور تقویٰ کے کِسی بھی مرتبے پر پہنچا ہوا ہو، اِستقامت کا ضرورت مند رہتا ہی ہے، کیونکہ اِستقامقت کے بغیر وہ اپنے اِیمان اور تقویٰ کو اُس مرتبے پر نہیں رکھ سکتا جہاں تک وہ پہنچے ہوتے ہیں،

اِس معاملے کو سمجھنے یا سمجھانے کے لیے کِسی لمبی چوڑی تشریح کی ضرورت نہیں، اِن شاءاللہ اتنا سمجھنا ہی کافی ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ عزّ و جلّ اپنے انبیاء اور رُسل علیہم السلام، اور بالخصوص اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ عظیم اور بلند رتبے

والے اپنے آخری رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو اِس کا حکم نہ فرماتا،
اگر ہم اِس قاعدے والی آیت شریفہ کے ساتھ ،اِس کے بعد والی آیت شریفہ بھی پڑھیں تو اِس قاعدے پر عمل نہ کرنے کی جزاء کی خبر بھی مل جاتی ہے ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ::: پس (اے محمد) آپ اور آپ کے وہ ساتھی جو (کفر وشرک سے) تائب ہوئے ہیں، (اُسی طرح حق پر اِستقامت کے ساتھ) قائم رہیے جس طرح آپ کو حکم دِیا گیا ہے، اور نافرمانی مت کیجیے گا، بے شک آپ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ وہ سب دیکھ رہا ہے ○ اور تُم لوگ اُن لوگوں کی طرف مائل مت ہو جنہوں نے (اللہ کی نافرمانی اختیار کر کے) اپنی جانوں پر ظُلم کیے، ورنہ تم لوگوں (کو بھی جہنم کی) آگ (ہی) پکڑے گی، اور (خُوب جان رکھو کہ) تُم لوگوں کے لیے اللہ کے عِلاوہ کوئی (بھی دُوسرا) حامی ومددگار نہیں، اور پھر (بھی اگر تم لوگ اللہ کے عِلاوہ کسی اور کی طرف توجہ کرو گے تو اللہ کی طرف سے) تم لوگوں کی کوئی مدد نہ کی جائے گی﴾،

قارئین کرام، ذرا سا تدبر کرنے سے بھی واضح طور پر یہ سمجھ آ جاتا ہے کہ حق پر اِستقامت کے ساتھ قائم رہنا وہ عظیم قاعدہ اور قانون ہے کہ جو کوئی بھی اِسے نہ اپنائے گا، اِسے اپنے آپ پر نافذ نہیں کرے گا، تو وہ اللہ پاک کی نافرمانی میں بھی مبتلا ہو گا، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں کی طرف مائل بھی رہے گا، اُن سے دوستیاں اور موالات بھی رکھے گا ، اور اِس کے نتیجے میں جہنم کی آگ کی گرفت میں ہو جائے گا، اور آخرت کی اِس تباہی کے مقدمے کے طور پر پہلے دُنیا کی ذِلت، رُسوائی پریشانیاں، اور بے سکونی وغیرہ بھی پائے گا کیونکہ اُسے اللہ کی طرف سے کوئی مددگاری نہ ملے گی،
اللہ جلّ جلالہُ ہم سب کو، ہمارے سب ہی کلمہ گو بھائی بہنوں کو اِستقامت سمجھنے اپنانے اور اپنائے ہی رکھنے کی ہمت عطاء فرمائے۔ والسلام علیکم۔

قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،، بیسواں قاعدہ 20

بِسمِ اللَّهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ

و الصَّلاۃُ والسَّلامُ عَلیٰ رَسولہِ الکریمِ مُحمدٍ و عَلیٰ آلہِ وَأصحابہِ وَأزواجِہِ وَ مَن تَبِعَھُم بِاِحسانٍ إِلٰی یَومِ الدِین ، أما بَعد :::

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اِیمان والے بندوں کو ایک اور خوش خبری عطاء فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ::: بے شک نیکیاں گناہوں کو مِٹا دیتی ہیں﴾ سُورت ھُود (11)/آیت 114،
اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان ہمارے موضوع "قران میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں 20ویں قانون کے طور پر بیان کیا جارہا ہے، اِس مذکورہ بالا آیت شریفہ میں بھی اللہ عزّ وجلّ نے ایک اور بہت عظیم قاعدہ، قانون بیان فرمایا ہے ، اور وہ ہے ﴿ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ::: بے شک نیکیاں گناہوں کو مِٹا دیتی ہیں﴾،

یہ عالی شان قاعدہ بھی سُورت ھُود میں ذِکر فرمایا گیا ہے ، اور سابقہ درس میں ذِکر کیے گئے قاعدے کے بعد ذِکر فرمایا گیا ہے ، جب ہم اِس قاعدے کو اِس سے پہلے فرمائی گئی آیات شریفہ کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں تو ہمیں اِس قاعدے کی اور اِس میں عطاء فرمائی گئی خوش خبری کی عظمت کا مزید علم ہوتا ہے ،

آیے اِس قاعدے کو اللہ پاک کے احکام کے تسلسل کے ساتھ پڑھتے اور سمجھتے ہیں ،

اِس قاعدے کو بیان فرمانے سے پہلے اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ نے اپنی خلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کو ، اور اُن صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی اُمت کی کئی احکام فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ::: پس (اے محمد) آپ اور آپ کے وہ ساتھی جو (کفر و شرک سے) تائب ہوئے ہیں ، (اُسی طرح حق پر اِستقامت کے ساتھ) قائم رہیے جِس طرح آپ کو حکم دِیا گیا ہے ، اور نافرمانی مت کیجیے گا ، بے شک آپ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ وہ سب دیکھ رہا ہے ۝ اور تم لوگ اُن لوگوں کی طرف مائل مت ہو جنہوں نے (اللہ کی نافرمانی اختیار کر کے) اپنی جانوں پر ظُلم کیے ، ورنہ تم لوگوں (کو بھی جہنم کی) آگ (ہی) پکڑے گی ، اور (خُوب جان رکھو کہ) تُم لوگوں کے لیے اللہ کے عِلاوہ کوئی (بھی دُوسرا) حامی و مددگار نہیں ، اور پھر (بھی اگر تم لوگ اللہ کے عِلاوہ کسی اور کی طرف توجہ کرو گے تو اللہ کی طرف سے) تم لوگوں کی کوئی مدد نہ کی جائے گی﴾، سُورت ھُود (11)/آیات 112،113،

حق پر اِستقامت کے ساتھ ڈٹے رہنے ، اللہ جلّ جلالہُ کی نافرمانی سے باز رہنے ، اور صِرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کی طرف مائل بھی ہونے سے باز رہنے کے حکم دیتے ہوئے ، اور ایسا کرنے کی صُورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مدد نہ ملنے بلکہ جہنم میں پہنچ جانے کی وعید دینے کے بعد اپنے خلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کو مُخاطب فرما کر اِرشاد فرمایا ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ ::: اور دِن کے دونوں سِروں (یعنی صُبح اور شام) میں ، اور ابتدائے رات کے کچھ اوقات میں نماز پڑھا کرو﴾،

گو کہ اِس حکم کے پہلے اور براہ راست مخاطب محمد رسول اللہ ، صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم ہیں ، لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کے عمومی اسلوب کے مُطابق یہ حکم ساری ہی اُمت کے لیے ہے ،

نماز پڑھنے کے اِس حکم کے فوراً ہی بعد اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ ، یہ قانون بیان فرمایا جِسے ہم اِس وقت سمجھ رہے ہیں کہ ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ::: بے شک نیکیاں گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں﴾،

اب آپ اِن تینوں آیات مبارکہ کو بیان کے ایک تسلسل میں سمجھیے تو واضح ہو جاتا ہے کہ پہلے نافرمانی اور اِس کے انجام کا ذِکر فرما کر ، پھر نیکی کرنے کا ذِکر فرمایا اور پھر یہ قانون بتا دِیا کہ اگر توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ نیک عمل بھی کیے جائیں تو وہ نیک عمل پہلے سے کی جانے والی برائیوں کو دُور کرنے کا سبب بن جاتے ہیں ،

اِس کی مزید تاکید کے طور پر اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ نے اپنے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی زُبان مُبارک سے یہ خبر بھی ادا کروائی ﴿اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ

حَسَنٌ:::جہاں کہیں بھی ہو (یعنی لوگوں میں ہو یا تنہائی میں) اللہ (کی ناراضگی اور عذاب) سے بچتے رہو، اور (اگر کوئی)گناہ (ہو جائے) تواُس کے پیچھے پیچھے نیکی بھیجو وہ گناہ کو مِٹا دے گی،اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق وکِردار والا معاملہ رکھو﴾سُنن الترمذی،حدیث 2115،کتاب البر والصلہ، باب 55،اِمام الترمذی رحمہُ اللہ اور اِمام الالبانی رحمہُ اللہ نے حسن قرار دیا،

لہذا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوا کہ نیکیاں گناہوں کو مِٹانے کا سبب ہوتی ہیں،

یہ بات جاننے کے بعد اب ہمارے سمجھنے کا معاملہ یہ ہے کہ نیکیوں کا گناہوں کو مِٹا دینا دو طرح سے ہوتا ہے،

:::(1):::نفس میں گناہوں کی طرف رغبت کی بجائے کراھت ہو جانا، اور پھر جان بوجھ کرگناہوں میں ملوث نہ ہونا :::

اور ایسا کچھ اِس طرح ہوتا ہے کہ اِیمان والے کے نفس میں اللہ عزّ و جلّ اِیمان کو مزید محبوب بناتا ہے، اور دِلوں کو اِیمان سے سجا دیتا ہے، سنوار دیتا ہے، اور گناہوں کو کراھت زدہ بنا دیتا ہے، جیسا کہ اللہ پاک نے اِس کی خبر فرمائی ہے کہ ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ:::اور لیکن اللہ نے اِیمان کو تم لوگوں کے لیے محبوب بنا دِیا، اور اُسے تم لوگوں کے دِلوں میں سجا دِیا، اور کفر، اورگناہ، اور نافرمانی کو تم لوگوں کے لیے کراھت (شدید نفرت) والا بنا دِیا﴾سُورت الحُجُرات (49)/آیت 7،

:::(1):::گناہ والا کوئی کام ہونے کے بعد اُس کا گناہ مِٹا دِیا جانا،

یہاں یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ، بندوں کے حقوق کے عِلاوہ جو کوئی بھی گناہ اللہ اور بندے کے درمیان ہو گا، نیکیوں کے سبب وہ گناہ مٹا دِیا جائے گا، لیکن اِس شرط کے ساتھ بڑے گناہوں سے اجتناب برتا جائے،اُن سے دُور رہا جائے،اُن سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے،

اِس معاملے یا مسئلے کو عُلماء کرام رحمہم اللہ نے مختلف طور پر، مختلف انداز میں سمجھا یا ہے،اِن شاء اللہ، ہم یہاں اُن سب کی باتوں کو اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں:::

:::::::اگر نیکی سچی توبہ کی صُورت میں ہو تو، جس بھی گناہ سے توبہ کی جائے اُس گناہ کا تمام گناہ مِٹا دیا جاتا ہے جِس گناہ سے توبہ کی جاتی ہے، مثلاً اگر سچے دِل سے اللہ کی توحید کو سمجھ کر قبول کر لیا جائے اور شرک سے توبہ کی جائے تواُس سے پہلے کیا گیے تمام شرکیہ عقائد واعمال کا گناہ مِٹا دیا جاتا ہے،

جی ہاں، ایسا ہی ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ شرک و کفر اور دیگر گناہ کرنے والوں کو شدید اور دوگنا عذاب دِیا جائے گا سوائے توبہ کر کے اِیمان لانے والوں اور پھر نیکیاں کرنے والوں کے ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا::: سوائے اُن کے جنہوں نے توبہ کی ،اور اِیمان لائے، اور نیک کام کیے، تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل گا، اور اللہ تو بخشش کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے﴾سُورت الفُرقان (25)/آیت 70،

یعنی، یہ دوگنا عذاب سب کافروں، مشرکوں اور گناہ گاروں کو ملے گا، سوائے توبہ کر کے اِیمان لانے والوں اور پھر نیکیاں کرنے والوں کے،

اِس معاملے کی تاکید اللہ عزّ و جلّ نے اپنے فرامین کے عِلاوہ اپنی وحی کے ذریعے، اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی زُبان مُبارک سے بھی کروائی، اور مثالوں کے ساتھ کروائی، کہ ﴿أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الإِسْلاَمَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ::: کیا تمہیں علم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے (سب ہی گناہوں) کو ختم کر دیتا ہے، اور ھجرت اپنے سے پہلے کے (سب ہی گناہوں) کو ختم کر دیتی ہے، اور حج اپنے سے پہلے کے (سب ہی گناہوں) کو ختم کر دیتا ہے﴾ صحیح مُسلم/حدیث 336/کتاب الایمان/باب 56 كَوْنِ الإِسْلاَمِ يَهْدِمُ مَا قَبْلَهُ وَكَذَا الْهِجرَةُ وَالْحَجُّ.

پس قران کریم اور صحیح سُنّت شریفہ کے دلائل کے ذریعے یہ پتہ چلتا ہے کہ نیکیاں عمومی طور پر گناہوں کو مِٹانے کا سبب ہوتی ہیں، لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ بندوں کی حقوق تلفی اور کبیرہ گناہوں سے باز رہنا شرط ہے،

اللہ سُبحانہُ و تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا ہے ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا::: تم لوگوں کو جن کبیرہ گناہوں سے منع کیا جاتا ہے، اگر تم لوگ اُن سے بچو گے تو ہم تم لوگوں پر سے تمہارے گناہ مِٹا دیں گے، اور تم لوگوں کو عِزت والے مقام میں داخل کریں گے﴾ سُورت النِساء (4)/آیت 31،

اور اِرشاد فرمایا ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ۝ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ::: تا کہ اللہ برائی کرنے والوں کو اُن کے کیے کا بدلہ دے، اور جنہوں نے نیک کام کیے اُنہیں اچھا بدلے دے۝ یہ وہ لوگ ہیں جو بڑے گناہوں اور بے حیائی والے کاموں سے بچتے ہیں سوائے (اُن سے سرزد ہو جانے والے) چھوٹے گناہوں کے﴾ سُورت النجم (53)/آیت 31،32،

اور نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم نے بتایا ہے ﴿الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ::: پانچوں نمازوں، اور جمعہ سے جمعہ تک، اور رمضان سے رمضان تک (کے درمیان کی جانے والی نیکیاں، گناہوں کو) مِٹا دینے والے ہوتی ہیں، اگر گناہ گار کبیرہ گناہوں سے بچا رہے﴾ صحیح مُسلم/حدیث 574/کتاب الطھارۃ/باب 5،

اے میرے اِیمان والے بھائی بہنوں، اِس عظیم المرتبہ قاعدے یعنی ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ::: بے شک نیکیاں گناہوں کو مِٹا دیتی ہیں ﴾ میں جو کچھ بتایا گیا ہے، اُس کی تائید میں اللہ پاک نے کچھ اور فرامین بھی اِرشاد فرمائے ہیں، جیسا کہ،

:::(1)::: اللہ تعالیٰ نے جنّت میں جانے والوں کی صِفات بیان فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا ﴿ وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ::: اور وہ لوگ نیکیوں کے ذریعے گناہوں کو دُور کرتے ہیں﴾ سُورت الرعد (13)/آیت 22،

:::(2)::: سابقہ اُمتوں کے لیے بھی یہ قاعدہ مقرر فرمایا گیا تھا ﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ::: اور اگر اھل کتاب ایمان لاتے اور (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) بچتے، تو یقیناً ہم اُن لوگوں کے گناہ مِٹا دیتے اور ضرور اُنہیں نعمتوں والی جنتوں میں داخل فرماتے ﴾ سُورت المائدہ

(5)/آیت 65،

اِس قاعدے ،اِس قانون قاعدے یعنی ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ::: بے شک نیکیاں گناہوں کو مِٹا دیتی ہیں ﴾ کو عملی طور پر اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کے بہت سے انداز ہیں، اختصار کے پیشِ نظر ہم اُن میں سے چند ایک ذِکر کرتے ہیں،

:::(1)::: دو کاموں کا ذِکر تو اللہ تعالیٰ نے اِس قاعدے کے بیان سے پہلے ہی فرما دِیا ہے، اور وہ ہیں، دِن کے دونوں سِروں یعنی، صُبح اور شام میں نماز پڑھنا، اور رات کے کچھ اوقات میں نماز پڑھنا، اور بلا شک پانچ وقت کی فرض نمازیں بھی اِس میں شامل ہو جاتی ہیں، اور دیگر سب نفلی نمازیں بھی، تو ثابت ہوا کہ نماز، خواہ فرض ہو یا نفل، گناہوں کو مِٹانے والی نیکیوں میں سے ہے، بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے، اِس کی واضح ترین دلیل وہ حدیث شریف ہے جو ابھی ابھی ذِکر کی گئی،

افسوس، صد افسوس، اُن لوگوں پر جو نفل نماز تو دُور رہی اپنی فرض نمازیں بھی پوری اور ٹھیک طرح سے ادا نہیں کرتے، اور کبیرہ گناہوں سے بھی کوئی پرہیز نہیں رکھتے اور پھر بھی اللہ تعالیٰ سے بخشش کی اُمید رکھتے ہیں کہ اللہ غفور و رحیم ہے، جی ہاں، اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، بالکل اُسی طرح جیسا کہ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سخت ترین گرفت کرنے والا بھی ہے، اور شدید عذاب دینے والا بھی ہے، لہذا خُوب اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیے کہ صِرف اللہ تعالیٰ بخشش کی اُمید میں گناہوں میں مشغول میں نہیں رہنا چاہیے، اِس مسئلے کو سمجھنا بھی ہمارے لیے بہت ضروری ہے، الحمد للہ اِسے ایک الگ مضمون میں نشر کیا جا چکا ہے، کچھ تسلی و تدبر والا وقت نکال کر اِس کا مُطالعہ بھی ضرور فرمایے گا،

:::اِیمان والا اُمید اور خوف کے درمیان رہتا ہے::: http://bit.ly/1nvQa6p

:::(2)::: اِس قاعدے کے عملی نفاذ کا ایک طریقہ، ایک انداز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے بیان فرمایا، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے کہ """کہ شخص نے کسی اجنبی عورت کو چُوم لیا، (احساسِ گناہ نے مجبور کیا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اِس گناہ کا ذِکر کیا،

تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت شریفہ) نازل فرمائی ﴿ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ::: اور دِن کے دونوں سِروں (یعنی صُبح اور شام) میں، اور ابتدائے رات کے کچھ اوقات میں نماز پڑھا کرو، بے شک نیکیاں گناہوں کو مِٹا دیتی ہیں ﴾ ،

اُس شخص نے عرض کی """یا رسول اللہ، کیا یہ میرے لیے ہے؟"""،

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ﴿لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ::: میری ساری ہی اُمت کے لیے ہے﴾

،"""، صحیح بخاری/حدیث 526/کتاب الصلاۃ/باب 4 الصَّلاَةُ كَفَّارَةٌ،

صحیح مسلم کی روایات کے اِلفاظ درج ذیل ہیں:::

﴿لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي::: میری اُمت میں سے جو بھی اِس کے مُطابق عمل کرے گا اُس کے لیے ہے﴾ ،

﴿بَلْ لِلنَّاسِ كَافَّةً::: (نہیں) بلکہ (میری اُمت) کے سارے ہی لوگوں کے لیے ہے﴾ ،

صحیح مُسلم/حدیث 7177/حدیث 7180/کتاب التوبہ / باب 7 ،

پس مزید واضح ہو گیا کہ یہ قاعدہ، یہ قانون سب ہی مُسلمانوں کے لیے، اور سب ہی نیکیوں کے بارے میں ہے،

:::(3):::اِس قاعدے کے عملی نفاذ کا طریقہ ہمیں اُس قاتل کے واقعے میں بھی ملتا ہے جو صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہے، جِس قاتل نے ننانوے 99 قتل کیے تھے، پھر اُس کے دِل میں اللہ کا خوف آیا، اور توبہ کا خیال آیا تو ایک راھب (دُنیا چھوڑے ہوئے خانقاہ نشین صوفی) کے پاس پہنچا، اور پوچھا کہ کیا میری توبہ ہو سکتی ہے؟

راھب نے کہا "نہیں"،

قاتل نے اُسے بھی قتل کر دِیا، اور سو پورے کر دیے،

پھر لوگوں سے پوچھتے پوچھتے ایک عالِم کے پاس پہنچا، اور اُس سے اپنی توبہ کے بارے میں پوچھا، تو عالِم نے کہا "ہاں، بھلا تمہارے اور تمہاری توبہ کے درمیان کیا حائل ہے؟ جاؤ (نیک لوگوں کی) فُلاں بستی میں جا بسو"،

جب وہ قاتل نیک لوگوں کی بستی کی طرف آدھا راستہ طے کر چکا تو اُس کی موت آ گئی، رحمت اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان بحث ہونے لگی، رحمت کے فرشتوں کا کہنا تھا کہ یہ دِل سے توبہ کر کے اللہ کی طرف پلٹ رہا تھا، اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اِس نے زندگی بھر کوئی نیکی کی ہی نہ تھی،

اتنے میں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک اور فرشتہ ایک اِنسان کی صُورت میں آیا فرشتوں کے دونوں گروہوں نے اُسے فیصلہ کرنے کا کہا، تو اُس نے کہا کہ، دونوں طرف کی زمین ماپ لو، یہ جِس بستی کے قریب ہو اُسی کا مان لو، تو اللہ تعالیٰ نے نیک بستی والی طرف کی زمین کو حکم دِیا کہ قریب ہو جا، اور برے لوگوں کی بستی والی زمین کو حکم دِیا کہ دُور ہو جا،

فرشتوں نے زمین ماپی تو اُسے (نیک لوگوں کی) اُس بستی کے قریب پایا جِس کی طرف وہ توبہ کر کے جا رہا تھا، لہٰذا اُس کی رُوح رحمت کے فرشتے لے گئے، صحیح مُسلم/کتاب التوبہ / باب 8 کی پہلی تین احادیث ، صحیح بخاری/حدیث 3470/کتاب احادیث الانبیاء / آخری باب،

اِس واقعے سے یہ سبق ملا کہ سچی توبہ جو بلا شک ایک نیک عمل ہے، پہلے سے کیے گئے تمام گناہوں کو مِٹا دینے کا سبب بن جاتی ہے،

:::ایک وضاحت:::عین ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ جب حقوق العباد تو کسی نیکی کے ذریعے مِٹائے نہیں جاتے تو پھر سو اِنسانوں کے قتل کیسے مِٹ گئے ؟؟؟اِس قِسم کی سوالات عموماً منکران ءحدیث کرتے ہیں، یا، احادیث شیر فہ کے بارے میں شکوک ڈالنے والے ایسے لوگ جو بظاہر کو حدیث کے خلاف کچھ نہیں کہتے لیکن اِس قِسم کے شکوک اُبھار کر لوگوں کے اذہان میں لاشعوری طور پر احادیث کے بارے میں بداعتمادی اُبھارتے ہیں،

تو اِس کے جواب میں صِرف اتنا ہی کہنا اِن شاء اللہ بہت کافی ہے، کہ اِس حدیث سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جِسے رحمت کے فرشتوں کے ذریعے دُنیا سے قبض کروایا، تو آخرت میں وہ ہی اپنی عطاء سے اُن لوگوں کو بھی راضی کرے گا جِن کے حقوق اُس نے مارے، اور اللہ کی رحمت اور بخشش سے یہ ہر گز بعید نہیں، لیکن ایسا ہر گز نہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کِسی ایسے شخص کو جنّت میں داخل کر دے گا جِس کے ذمے کسی دُوسرے کا کوئی حق باقی ہو گا،

پس، ہم میں سے ہر وہ شخص جِس نے گناہ کر کے، اور دُوسروں پر کِسی بھی طور کوئی ظلم کر کے، در حقیقت اپنی جان پر ظلم کر رکھا ہے، وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، شیطان کے کِسی دھوکے میں آ کر نیکی کی راہ اپنانے سے باز نہ رہے، جیسا کہ

عموماً شیطان ایسے لوگوں کو یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تم نے تو اتنے گناہ کیے ہیں بھلا اللہ تمہاری طرف کیا دیکھے گا؟ تمارے ذمے تو اتنے لوگوں کے حقوق ہیں تم کیسے جنّت میں جا سکتے ہو، وغیرہ وغیرہ،

اللہ کی طرف سچی توبہ کرنے اور اُس کی اطاعت اختیار کرنے میں قطعاً کوئی دیر نہیں کی جانی چاہیے ، اگر اُس کو راضی کر لیا تو حق داروں کو وہ راضی کر دے گا، اللہ کی رضا کے لیے ، خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے نیکی کرنے میں کوئی تاخیر نہیں کرنا چاہیے ، گناہ خواہ کتنے بھی پرانے ہوں، اور نیکی خواہ کتنی ہی نئی ہو، اللہ تعالیٰ کے حکم سے گناہوں کو مِٹا دیتی ہے ،

اللہ الغفور الرحیم ہمیں نیکیاں کرنے کی توفیق عطاء فرمائے ، اور اُن نیکیوں کو شرف ِ قُبولیت عطاء فرمائے ، اور اُن نیکیوں کو ہمارے گناہ مِٹا دینے والی بنا دے ۔ والسلام علیکم۔

الحمد للہ یہاں تک بیس قواعد ، بیس قوانین کا بیان مکمل ہوا، اگلے حصے میں اِن شاء اللہ مزید دس قواعد بیان کیے جائیں گے ،

آخر میں ایک دفعہ پھر یاد کرواتا چلوں کہ """ یہ مضامین محترم شیخ ،ڈاکٹر عُمر المقبل حفظہُ اللہ کے دُرُوس سے ماخوذ ہیں، نہ کہ اُن کے دُرُوس کے تراجم ، بلکہ ان مضامین میں کم و بیش ساٹھ ستر فیصد مواد میری طرف سے اضافہ ہے، اس لیے اِن مضامین کو حرف بحرف محترم شیخ صاحب حفظہُ اللہ سے منسوب نہ سمجھا جائے ۔اور مضامین کا تسلسل بھی میں نے محترم شیخ صاحب کے دُرُوس کے تسلسل کے مطابق نہیں رکھا، بلکہ مصحف شریف میں آیات کے تسلسل کے مطابق رکھا ہے """ ،

والسلام علیکم۔طلبگارء دُعاء ، عادِل سُہیل ظفر۔

تاریخ کتابت : 11/11/1437 ہجری ، بمُطابق ، 14/08/2016 عیسوئی۔

تاریخ تجدید و تحدیث : 17/11/1437 ہجری ، بمُطابق ، 20/08/2016 عیسوئی۔